وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے!

جلد 11	شمارہ 06	رمضان 1438ھ	جون 2017ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی — مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

حافظ مختار احمد گوندل — تزئین و گرافکس: جواد عمر

پروفیسر خلیل الرحمٰن — قانونی مشاورت:

محمد فیاض عادل فاروقی — محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِ تعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زر تعاون: اندرونِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	بصری مشاہدہ اور نظری حقیقت 3	انجینئر مختار فاروقی	9
5	راہِ نجات	انجینئر مختار فاروقی	19
6	طبع آزاد پہ قیدِ رمضان بھاری ہے	محمد منظور انور	31
7	سیرۃ امام المرسلین ﷺ 12	ساجد محمود مسلم	43
8	25 روزہ کورس کے شرکاء کے تاثرات		52
9			57
			61

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ العصر آیات 3، رکوع 1

یہ سورۃ والعصر، جامع اور مختصر کلام کا بے نظیر نمونہ ہے۔اس میں انسان کی حقیقی کامیابی اور ناکامی کا راستہ بہت سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔اس میں زمانے کی قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ تمام انسان خسارے میں ہیں اور اس خسارے سے وہی لوگ نجات پائیں گے جن میں چار شرائط پائی جاتی ہیں: پہلی شرط ایمان، دوسری شرط صالحات پر عمل، تیسری شرط حق بات کی دوسروں کو نصیحت کرنا اور چوتھی شرط ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا۔

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالۡعَصۡرِ O اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ O

زمانے کی قسم کہ بے شک انسان یقیناً بہت بڑے خسارے میں ہے

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ O

اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ :لَوْ أَنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمَ، وَ وَضَعُوهُ عِنْدَ أَهْلِهٖ، لَسَادُوا بِهٖ أَهْلَ زَمَانِهِمْ، وَلٰكِنَّهُمْ بَذَلُوهُ لِأَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوا بِهٖ مِنْ دُنْيَاهُمْ، فَهَانُوا عَلَيْهِمْ، سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ ﷺ يَقُولُ: مَنْ جَعَلَ الْهُمُومَ هَمًّا وَاحِدًا، هَمَّ آخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ ، وَ مَنْ تَشَعَّبَتْ بِهِ الْهُمُومُ فِيْ أَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِي أَيِّ أَوْدِيَتِهَا هَلَكَ (ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر علم والے علم کی حفاظت کرتے اور جو لوگ علم کے اہل ہیں ان پر علم کو پیش کرتے تو وہ اپنے زمانے کے لوگوں کے سردار ہوتے، لیکن انھوں نے علم کو دنیا دار لوگوں کے سامنے پیش کیا تاکہ ان کی دنیا میں سے کچھ ان کو مل جائے تو یہ بے عزت ہوگئے۔ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوا سنا ہے کہ جو شخص سارے افکار کو ایک ہی فکر یعنی اپنی آخرت کی فکر بنالیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اس کی دنیا کی فکر سے بے نیاز کردیتا ہے، اور جس شخص کو افکار دنیا کے حالات میں ہی بکھیر دیتے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا کہ وہ دنیا کی کونسی وادی میں گر کر ہلاک ہوجائے۔

فکرِ انسانی کا نقطۂ عروج:
معرفتِ خداوندی

انجینئر مختار فاروقی

رمضان المبارک کی برکات کی برسات جاری ہے اور اہل ایمان اپنی اپنی بساط کے مطابق اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ ع پھول کھلے ہیں گلشن گلشن ، اپنا اپنا دامن، کے مصداق چہار سو قیام وصیام رمضان کے عنوان سے عطائے خداوندی سے ہر کوئی اپنا حصہ سمیٹنے میں مصروف ہے۔ انسان صرف ظاہری جسد (زندہ خاکی جسد) کا نام نہیں بلکہ اس زندہ جسم میں ایک رُوحِ ربّانی بھی موجود ہے۔ بقول علامہ اقبال

ے اس پیکر خاکی میں اک شئے ہے سو وہ تیری
میرے لیے مشکل ہے اس شئے کی نگہبانی

اس ’شئے‘ کا نام ہی خودی ہے اور اُردو کے عام محاورے میں اسے ضمیر کہتے ہیں۔ ضمیر کے ساتھ کئی سابقے مستعمل ہیں جیسے روشن ضمیر، زندہ ضمیر اور بے ضمیر یا مردہ ضمیر۔ جو شخص اس ضمیر کی نگہبانی نہیں کر پاتا اور اس سے غافل ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں سورۂ اعراف میں فرمایا گیا ہے کہ اب ایسے غافل نہ اپنے دل سے تفقّہ کرتے ہیں، نہ آنکھوں سے عبرت کا دیکھنا دیکھتے ہیں، نہ کانوں سے حق اور وحی کے نغمے سن کران کی داد دے سکتے ہیں، اب نہ صرف یہ ’غافل‘ ہیں اور جانوروں کے زمرہ میں جا پہنچے ہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ یہ ڈارون کے انسان بن گئے ہیں۔ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ زندہ ضمیر لوگ اور ایسے بے ضمیر لوگ برابر نہیں ہو سکتے

یہ بے ضمیر لوگ مرنے کے بعد ایک دائمی تکلیف کی زندگی سے دوچار ہوں گے جبکہ روشن ضمیر اور زندہ ضمیر لوگ یعنی حقیقی انسان جنت میں ایک پُرمسرّت، پُرجوش اور معرفت خداوندی سے لبریز ایک نئی زندگی سے ہمکنار ہوں گے۔

سورۃ الحشر میں وارد ہے کہ عجیب بات ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہوکر اور رُوح ربّانی سے ملحق ہوکر بھی قرآن مجید جیسے کلامِ خداوندی سے اپنے جذبوں، ولولوں اور اُمنگوں کو سیراب کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ لوگ بے جان اور پتھر بن چکے ہیں اور عام محاورے میں ایسے 'سنگدل' ہیں کہ 'مٹی کا اک انبار' ہیں۔ارشادِ ہے:

لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ وَتِلۡكَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ O (21:59)

''ہم یہ قرآن پہاڑ پر بھی اُتار دیتے تو آپ دیکھتے کہ ہیبت اور خشیت الٰہی سے ریزہ ریزہ ہوجاتا (حیرت ہے کہ انسان کا دل جب سخت ہوتا ہے تو وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوجاتا ہے) یہ مثالیں ہم اس لیے بیان کررہے ہیں کہ لوگ تفکّر (غوروفکر) کریں''۔

اہل ایمان کے لیے اسی رکوع میں دعوتِ فکر اور رہنمائی کا تذکرہ یوں وارد ہوا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ O وَ لَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنۡسٰهُمۡ اَنۡفُسَهُمۡ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ O (19-18:59)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (یعنی قیامت) کے لیے کیا (سامان) بھیجا ہے اور (ہم پھر کہتے ہیں کہ) اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ اور اُن لوگوں جیسے نہ ہوجاؤ جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انھیں ایسا کردیا کہ خود اپنے تئیں (حقیقتِ انسان) بھول گئے۔ یہ بدکردار لوگ ہیں''۔

ایک حقیقی انسان جب رمضان المبارک میں دن کا روزہ اور رات کو قیام کے ذریعے

قرآن مجید کے چشمہ صافی سے رُوح کی سیرابی کا سامان کرتا ہے تو وہ روشن ضمیر اور زندہ ضمیر انسان بن جاتا ہے اور اس کے دل میں ایمان کا نُور پیدا ہو جاتا ہے وہ ضمیر اور وحی کے دو 'نور' جمع کر کے 'نورٌ علیٰ نور' کا مرقع بن جاتا ہے۔

رمضان المبارک کے مجاہدات صوم و قیام کے نتیجے میں روزہ داروں کے تین طبقات وجود میں آتے ہیں۔ ایک حدیث میں رمضان المبارک کے تین عشروں کی نسبت سے ان تین طبقات کے احوال بیان ہوئے ہیں۔ حضرت سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت کے الفاظ یوں ہیں:

......وَ هُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَ اَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَ اٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ

اور اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ دوزخ کی آگ سے آزادی ہے۔ (شعب الایمان)

اس کی وضاحت کچھ یوں کی گئی ہے کہ وہ اہل ایمان جو پہلے سے ہی ایمان کے ساتھ زندگی باعمل گزار رہے ہیں وہ اس ماہِ مبارک کی آمد کے ساتھ ہی اس شبانہ روز مجاہدہ (قیام وصیام) کی برکات کے نتیجہ میں، اپنی کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی کے بعد، نیز نیکیوں کے حد سے زیادہ اجر (ستر گنا) کے باعث گناہوں سے پاک ہوجاتے ہیں اور مثبت طور پر نیکی کے درجات میں اُوپر اُٹھنا شروع ہوجاتے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے ایسے اہل ایمان رمضان المبارک کے پہلے دوسرے دن سے ہی اونچی پرواز میں ہوجاتے ہیں جبکہ پچھلی صفوں کے مخلص اہل ایمان اگلے چند روز میں اپنے سینوں کو صیقل کر کے پہلے عشرے کے اختتام تک اپنی منزلِ مراد تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کے سیل رحمت سے بہرہ مند ہونے کے قابل بن جاتے ہیں۔

اسی طرح ذرا کمزور اہل ایمان (اور عمل میں کوتاہی کے مرتکب مسلمان) یہ عمل دو عشروں میں مکمل کر کے روشن ضمیر اور زندہ ضمیر اہل ایمان کی مزید پچھلی صفوں میں جا کھڑے ہوتے ہیں اور عام مخلص مسلمان جو رمضان المبارک سے پہلے گناہوں سے آلودہ زندگی گزار رہے تھے وہ بھی اپنے خلوص اور تراویح اور روزے کی برکات سے یہ عمل 21 سے 29 یا 30 تک مکمل

کر کے مغفرت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

ایک مشہور حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا کہ جو مسلمان رمضان المبارک کی آمد پر بھی بیدار نہ ہوا اور اس ماہِ مبارک کی برسات سے سیراب نہ ہو سکے اور اپنے آپ کو مغفرت کا مستحق نہ قرار دلوا سکے وہ تباہ جائے یا ہو گیا۔ یقیناً یہ درجہ غفلت کا آخری درجہ ہے اور محرومی و بد نصیبی و بدبختی کا واضح نشان۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذَالِکَ۔

رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں توبہ کے ذریعے گناہوں سے پاک ہو کر اور نیکیوں کے بے پناہ اجر (ستر گنا) کے باعث جو تین طرح کے لوگ پہلے، دوسرے اور تیسرے عشرے میں کامیابیوں کے زینے چڑھتے بہت اُوپر چلے جاتے ہیں، ان کا بیان سورۃ الحشر کے آخری رکوع میں ہی وارد ہے۔ فرمایا کہ معرفتِ الٰہی کا پہلا درجہ اور سب سے قریب درجہ ان خوش قسمت لوگوں کو ملتا ہے جو 'عِتقٌ مِّنَ النَّار' کے درجے میں پورے مہینے کی محنت اور مجاہدات کے ذریعے دوزخ سے دور کر کے جنت کے راستے پر آ جاتے ہیں۔ ان کے لیے معرفت خداوندی کا پہلا زینہ یوں بیان ہوا ہے: یہ اسلام کا درجہ ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے''۔

اس سے اگلا اور معرفت الٰہی کا اعلیٰ درجہ ان خوش نصیب اہل ایمان کا مقدّر بنتا ہے جو پہلے درجے کے اہل ایمان سے ذرا آگے ہوتے ہیں یا صالحین سے آگے 'شہداء' کے درجے کے لوگ ہوتے ہیں جو زندگی میں 'شہادتِ حق' کا کسی درجے میں اہتمام کرتے ہیں۔ ان کے سامنے معرفت الٰہی کا یہ خوشنما منظر ہوتا ہے کہ وہ پہلے درجے کی معرفت سے اضافی طور پر اللہ تعالیٰ کے اِن اسمائے حسنیٰ کی رنگینیوں، لطافتوں، عنایتوں اور انوار سے متمتع ہوتے ہیں۔ یہ ایمان کا درجہ ہے

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بادشاہ (حقیقی) پاک ذات

(ہر عیب سے) سلامتی امن دینے والا نگہبان غالب زبردست بڑائی والا۔
اللہ لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے‘‘۔

سب سے اعلیٰ درجے کے اہل ایمان یقیناً ایک اور اعلیٰ درجے کی (ممکنہ) معرفت الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں اور بلا شک وشبہ اس درجے کے اہل ایمان (اور اُوپر درج درجات میں بھی) کے اپنے اندر بھی کروڑوں درجے ہوں گے اور یہ صدیقیت کا مقام ومرتبہ ہے، جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت 69 میں وارد ہوا ہے۔

اس مقامِ بلند پر معرفتِ الٰہی کے لیے پہلے دونوں درجوں کی معرفتوں کے بعد اعلیٰ ترین درجے کی معرفت کا بیان یوں ہوا ہے:

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

’’وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق ایجاد واختراع کرنے والا صورتیں بنانے والا اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں‘‘۔

اس مقام پر آ کر اہل ایمان معرفت خداوندی کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی ان بلند شانوں پر غور وفکر کے اہل قرار پاتے ہیں اور ان پر غور وفکر کرتے بھی ہیں اور اس کے علاوہ باقی اسمائے حسنیٰ کے انوار سے بھی اپنے اپنے ظرف کے مطابق حصہ پاتے ہیں۔

اس سے بھی بلند مقام یقیناً انبیائے کرام علیہم السلام کا ہے اور ان میں بھی حفظِ مراتب اور فضیلت کے ابواب میں (البقرہ:253) اور یقیناً سب سے اعلیٰ مقام ومرتبہ معرفت خداوندی کے ضمن میں سیّدالاوّلین والآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ آبائنا واُمہاتنا) کا ہی ہے۔

جو خوش نصیب اس رمضان المبارک میں ذرا دل، کان اور آنکھوں کو کُھلا رکھ کر روزہ اور تراویح کی شبانہ روز محنت کا حق ادا کریں گے تو ان مراتب کا کوئی ادنیٰ سا حصہ ان کے مقدر میں بھی لکھ دیا جائے گا تاکہ اس کی روشنی میں دینی تقاضوں کو ادا کرتے ہوئے آئندہ زندگی گزار کر کامیاب ہوا جاسکے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اس ماہِ مبارک سے کماحقہ استفادہ کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

بصری مشاہدہ ــــ اور نظری حقیقت

سورج کا طلوع وغروب ــــ اور ــــ کلمہ شہادت پڑھنے پر
انگلی آسمان کی طرف اٹھانے کی
جغرافیہ اور فلکیات کے علم کی روشنی میں تنقیح

(حصہ سوم)

انجینئر مختار فاروقی

اس عنوان سے دو قسطیں جولائی اور اگست 2015ء میں شائع ہو چکی ہیں۔ بعض ناگزیر حوالہ جات اور اِفہام و تفہیم کے لیے اس بحث کے تیسرے حصے کی اشاعت میں بے حد تاخیر ہوگئی۔ یہ خیال بھی بار ہا آیا کہ اس بحث کو یہیں ختم سمجھ لیا جائے اور مزید کچھ نہ لکھا جائے۔ تاہم 'دیر آید درست آید' کے مقولہ کے مصداق ہی سہی اس سلسلۂ بحث کا تیسرا حصہ ہدیۂ قارئین ہے۔ نظری حقیقتوں کے ادراک اور فہم کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعتِ کلّی کے ساتھ ذہنی و علمی ریاضت ہی ایمانِ حقیقی کے اعلیٰ مراتب کے حصول اور معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ قارئین کی سہولت کے لیے حصہ دوم کے آخری دو صفحات کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے تاکہ گفتگو کے تسلسل کو ذہن میں تازہ کیا جا سکے۔ (ادارہ)

سورج اور چاند کی گردش سے بننے والے دن، ماہ اور سال ایک اٹل حقیقت ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ہمارے برادر ملک سعودی عرب نے سورج کے طلوع وغروب کے اوقات کی طرح رؤیت ہلال کے حوالے سے بصری رؤیت کے بجائے نظری رؤیت کا اعتبار کر کے اسلامی مہینوں کا کلینڈر ابتدائے سال میں شائع کرنے کی طرح ڈالی ہے جو قابل تحسین ہے۔ اسی طرح آسمان کی طرف انگلی کے اشارہ کے بارے میں بھی ذرا وسعت نظر سے کام لیں تو وہی حقیقت کھل کر سامنے آئے گی جو ہم نے اوپر بیان کر دی ہے اور ہمارے نزدیک علم

جغرافیہ اور علم فلکیات کی روشنی میں اس سے انکار ممکن نہیں اور وہ یہ ہے کہ انسان کا اوپر کی طرف اشارہ اس مادی کائنات کو گھیرے ہوئے ایک لامکان کی طرف ہوتا ہے جو شش جہات سے اس کو محیط ہے اور جس کی وسعت کا اندازہ نظر آنے والی مادی کائنات سے اربوں گنا زیادہ ہے اور ہم انسان (اور ہمارا مسکن زمین) اس کائنات کا مرکز ہیں گویا کروڑوں انسانوں کا بیک وقت اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ کا مصداق ہوتا ہے۔

حرفِ آخر

ہمارے نزدیک اُمت مسلمہ کی تاریخ میں قرونِ اولیٰ میں زیادہ اور بعد والوں (متأخرین) میں کم لوگ کائنات کا صحیح صحیح تصور رکھتے تھے اور چند صدیاں پہلے بھی اور آج بھی یہ اکابرینِ ملتِ اسلامیہ اور اہلِ علم اپنے ماحول اور ظروف واحوال کے حوالے سے جس صورت حال سے دوچار رہتے تھے وہ درج ذیل صورتوں میں سے کوئی ایک ہوتی تھی:

1۔ ایسے رجالِ دین یا مجدّدین وقفے وقفے سے سامنے آتے رہے جو کائنات اور اس کے اندر پھیلی ہوئی حقیقتوں کا صحیح صحیح اِدراک رکھتے تھے جو ادراکِ نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا دھندلا سا عکس کہا جاسکتا ہے۔

ایسے چنیدہ و برگزیدہ لوگ اُمت میں مشرق سے مغرب تک پھیلے رہے۔ بسا اوقات ان حضرات کو ایسا ماحول میسر آ گیا اور اعوان وانصار اور وابستگان ومتوسلین ایسے مخصوص ذوق کے مل گئے کہ ان کو یہ مسائلِ حکمت اور حقیقتِ کائنات کا علم واشگاف الفاظ میں منتقل کردیا اور انہوں نے اس کو سمجھ بھی لیا اور اگلی نسلوں کو بھی منتقل کیا۔

3۔ بعض اوقات ایسے علماء وفضلاء (جو اس بصری مشاہدہ اور نظری حقیقت کا علم رکھتے تھے) کو اہل اور باصلاحیت شاگرد اور طالبانِ علم میسر نہ آسکے یا ان کو یہ علم منتقل کرنے کا موقع نہ مل سکا (ہمارے رسولِ پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آخری عمر میں ہی خصوصی نشستوں میں یہ علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منتقل فرمایا تھا) اور یوں ان ائمۂ دین کے بارے میں اُن کے شاگردوں اور وابستگان میں اس شعبۂ علم کی تفاصیل اور تذکرہ کا فقدان رہا۔

4۔ اس طرح اُمت مسلمہ میں گزشتہ چودہ صدیوں میں ان علوم کے بارے میں اختلاف

رائے پیدا ہو گیا جو بالکل فطری امر ہے اور نیک نیتی پر مبنی ہے۔ یہ اختلاف اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

5۔ آج کا دور مغربی علوم کی بالادستی اور جدید علوم کی ترقی کی وجہ سے منفرد ہے۔ اب علماء، فضلاء اور رجالِ دین میں جدید علوم پھیل رہے ہیں اور متعدد رجالِ دین تو ہیں ہی جدید مغربی تعلیمی اداروں کے تعلیم یافتہ۔ لہٰذا ـــــ اب ضرورت ہے کہ اس علم پر عمومی توجہ دی جائے اور اس کو عام کیا جائے تاکہ اُمت کے اہل علم و فضل حضرات میں فکری یگانگت پیدا ہو سکے۔

6۔ جہاں تک عوام کی اکثریت کا تعلق ہے تو وہ انسانی صلاحیتوں اور شعبوں کے تفاوت کی وجہ سے مختلف الآرا ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی امریکہ اور یورپ کے ممالک میں 100% تعلیم کے باوجود عوام کی اکثریت پرانے دور کے نظریات و خیالات و تصورات کے حامل ہیں۔

اسی طرح ہمارے ہاں بھی عوام چاہے صدیوں پرانے خیالات کے ہوں ـــــ علمائے اسلام اور اہل علم اور اہل نظر کو اس حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے اور انہیں اپنے وابستگان و بہی خواہان میں اس کا تذکرہ کرنا چاہیے تاکہ اُمت مسلمہ کے عوام میں ایک ملّی و آفاقی مشترک سوچ پیدا ہو سکے جو آئندہ آنے والے دنوں میں اسلام کے روشن مستقبل کے لیے ناگزیر بھی ہے اور اس کی ضمانت بھی۔

فضا میں بکھری نظری حقیقتوں کا ادراک

یہ بات علم کی دنیا میں ایک بدیہی حقیقت کے طور پر ہی تسلیم کی جاتی ہے کہ کسی مسئلے، قضیئے یا صورتِ حال کو پوری طرح سمجھے بغیر کوئی 'مسئول عنہ' سائل کو صحیح جواب نہیں دے سکتا۔ ڈاکٹر کسی مریض اور مرض کی کیفیت اور حقیقت جانے بغیر علاج نہیں کر سکتا۔ مفتی کسی قضیئے کو سمجھے بغیر اس پر شرعی حکم نہیں لگا سکتا۔ کوئی استاد اور معلّم شاگرد یا سائل کا سوال سن کر اور اس کی ذہنی سطح کا اندازہ کیے بغیر اس کی ذہنی خلش اور تجسّس کا شافی جواب نہیں دے سکتا۔

اسی طرح ـــــ کائنات میں چاروں طرف فضا میں بکھری نظری حقیقتوں اور آیاتِ الٰہی کے متعلق کسی ناگزیر کم از کم درجے میں ہی سہی ادراک کے بغیر، قرآن مجید کا کوئی طالب علم اور ایمانِ حقیقی کے حصول کی کوششوں میں مگن کوئی طالبِ حق اس راستے پر ایک قدم بھی آگے نہیں

بڑھ سکتا۔ یعنی اپنے اندر 'لِیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ' کی کیفیت نہیں پا سکتا۔

اس گفتگو کو ایک دینی ضرورت اور ایمانی تقاضے کے طور پر ہی ذہن نشین کرنے کے لیے آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں (اور علاوہ ازیں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں) کیا ارشاد ہوا ہے۔

کائنات کی نظری حقیقتیں اور قرآن مجید

عربی میں آیت ــــــ نشانی کو کہتے ہیں اور قرآن مجید کے الفاظ کے مجموعہ کو اللہ تعالیٰ نے 'آیاتِ قرآنی' کہا ہے۔ کائنات کی نظری حقیقتوں کو بھی آیات کہا گیا ہے۔ یہ آفاقی آیات ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ خود انسان کی تخلیق ــــــ اللہ تعالیٰ کی خلاّقی کا شاہکار ہے۔ انسان کی تخلیق میں بہت 'آیات' ہیں یہ 'آیات انفسی' کہلاتی ہیں۔

☆ سورۃ حٰم السجدہ میں یوں ارشاد ہوا ہے کہ:

سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ اَوَ لَمۡ يَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ O (53:41)

''ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے۔ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے''۔

☆ سورۃ الذاریات میں وارد ہے:

وَفِى الۡاَرۡضِ اٰيٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِيۡنَ O وَ فِىۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ O (21-20:51)

''اور یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہے اور خود تمہارے نفوس میں۔ تو کیا تم دیکھتے نہیں؟''

یوں سمجھئے کہ بندۂ مومن کے لیے آیاتِ قرآنی کو ماننے، پڑھنے، سمجھنے، عمل کرنے کے لیے ساتھ ساتھ آیاتِ آفاقی و آیاتِ انفسی کا ادراک بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اصولی طور پر ان حقیقتوں کا ادراک پہلے کم تھا اور اب ماضی قریب سے زیادہ ہو رہا ہے۔ جیسے جیسے انسانی علم ترقی کر رہا ہے اسی مناسبت سے کائنات کے 'رازہائے دروں' سے پردے اُٹھتے جا رہے ہیں۔

مثلاً زمین گول ہے اورفٹ بال کی طرح ایک کرہ ہے۔ یہ حقیقت دورِصحابہ رضی اللہ عنہم میں اتنی عام نہیں تھی جتنی آج عام ہے۔ چنانچہ سورۃ الجاثیہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ O (02:45)

''بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں''۔

وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰت لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ O (04:45)

''اورتمہاری پیدائش میں بھی اور جانوروں میں بھی جن کو وہ پھیلاتا ہے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں''۔

وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّھَارِ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَاۤءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِھَا وَتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ O(05:45)

''اور رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں اور وہ جو اللہ نے آسمان سے رزق نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ کیا اس میں اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں''۔

تخلیقِ ارض وسماء میں 'مؤمنین' کے لیے نشانیاں ہیں۔ تخلیقِ انسانی میں یقین رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ نیز وسائل رزق اوراس کی پیدائش وافزائش کے اسباب پرغوروفکر بھی ضروری ہے، یہ نشانیاں ہیں ہراس قوم کے لیے جو عقل سے کام لیتی ہے۔

گویا ـــــ سیاروں کی گردش، سورج اور زمین کا مسلسل سفر، وسائل رزق کی فراہمی کے اسباب، ہواؤں کا نظام ـــــ ان اسباب پرغور تو غیرمسلم بھی کریں گے، جبکہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تخلیق حیات پرغور کرکے خالق کی خلاّقیت تک پہنچیں ـــــ یہ کام صرف یقین رکھنے والے اور ایمان رکھنے والے کریں گے۔ اس بات کو دوحصوں میں تقسیم فرما کر تذکرہ فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق ایک مرحلہ ہے اور اس میں انسان کی تخلیق اور حیوانی حیات کی تخلیق یہ دوسرا مرحلہ ہے۔ اس میں پہلے مرحلہ کے لیے 'مؤمنین' اہل ایمان کا ROLE اور ایمان کے تقاضے کا ذکر ہے جبکہ آیت نمبر 3 میں تخلیق انسانی کا مرحلہ مذکور ہے۔ دوسری آیت پرغوروفکر کے نتیجے

میں یقین کی بنیاد پر آیت نمبر 3 تک لازمی رسائی ہوگی۔

سورۂ مومن میں (مومن نام بھی اہم ہے) آیت 2 اور آیت 3 کے مضامین کا باہمی تقابل فرما دیا۔ اس تقابل کو صرف اہل عقل یعنی غیر مسلم دانشور، سائنسدان اور کرائے کے ریسرچ سکالرز کیا سمجھیں، اس سطح پر غور و فکر کے لیے فطرتِ سلیمہ اور حیاتِ قلبی یا 'حیا' (حیا کا لفظ بھی حیات سے ہی بنا ہے) درکار ہے۔ یہ صرف اہل ایمان کا خاصہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ O (57:40)

''آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے کی نسبت بڑا (کام) ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

آیاتِ آفاقی پر غور و فکر سے ایمان کے اعلیٰ درجات تک رسائی، ایمان کی بڑھوتری کا ذریعہ اور اہل ایمان (یعنی اہل اللہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور انبیاء کرام علیہم السلام) کا خاصہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ O (190:03)

''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں''۔

یہ غور و فکر ایمان تک رسائی اور ایمان میں اضافہ کا موجب ہے۔

الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ O (191:03)

''جو کھڑے بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے پروردگار تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو''۔

یادر ہے کہ ایمان ایک وحدت ہے اور اصل ایمان تو ایمان باللہ ہی ہے جیسا کہ معروف الفاظ میں ایمان مجمل میں آیا ہے۔ جبکہ تفہیم و تسہیل کے لیے ایمانِ مفصّل میں ایمان کے کئی حصے بیان کیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی اس طرح کے اشارات ہیں یعنی (i) ایمان باللہ (ii) ایمان بالآخرۃ (iii) ایمان بالرسالت (فرشتوں، کتابوں اور انبیاء و رُسل پر ایمان)۔ چنانچہ ـــــ اُولوا الالباب ہی (کے ایک گروہ) نے اس پر بحث فرمائی ہے۔ تفسیر عثمانی میں صاحب تفسیر سورۃ آلِ عمران کی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ ایمان عقلی ہے اور ایمان بالرسالت ایمانِ سمعی ہے۔ ان آیات میں پہلے ایمان عقلی کا ذکر ہے پھر ایمانِ سمعی کا۔

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے قرآن فہمی کا ایک منتخب نصاب ترتیب دیا تھا، جو بہت عام ہوا آج بھی متداول ہے تنظیم اسلامی کے رفقاء خاص طور پر اسی نصاب کے ذریعے قرآن مجید سے خصوصی شغف (یعنی قرآن مجید کے دروس اور ترجمہ القرآن کے پروگراموں میں دلچسپی) پاتے ہیں۔ اس میں ایمان کے مباحث میں سب سے اہم مقام یہی ہے۔ اس مقام پر ایمان کی ایک اور تقسیم کا بھی ذکر ہے یعنی شعوری ایمان اور غیر شعوری ایمان۔ بالاتفاق شعوری ایمان ـــــ غیر شعوری ایمان سے افضل ہے۔ شعوری ایمان کے حصول کا ذریعہ یہی غور و فکر ہے (آیاتِ آفاقی اور آیاتِ انفسی پر غور و فکر)۔

مزید برآں رسول اللہ ﷺ نے ہر مومن کو اسی غور و فکر کی طرف اُبھارا ہے اور رہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ عام درجے سے اُوپر اُٹھ کر جس بندۂ مومن کو نمازِ تہجد کی توفیق مل جائے، بڑے نصیب کی بات ہے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر رات کو اُٹھنے کے بعد آسمان کی طرف دیکھ کر سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی چند آیات کی تلاوت کا طریقہ چھوڑا ہے۔ گویا بندۂ مومن کی راہنمائی کی گئی ہے کہ ایمان شعوری ہو یا غیر شعوری، جب ترقی کرتا ہے اور اپنے ہدف اور مرکز کی طرف مائل پرواز ہوتا ہے تب اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور و فکر کرنا ہی مومن کی شان بلکہ پہچان ہے۔ بقول اقبال

ؔ کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گُم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گُم اس میں ہیں آفاق

کائنات کی وسعت اور اس کا بیان

بزبان افضل الخلق سیّدنا حضرت محمد ﷺ

وہ کائنات جس کی وسعتوں کا اندازہ لگانا الفاظ میں مشکل ہے، جس کو آج تک کسی انسان نے اپنی محنت اور ترقی سے آر پار جا کر نہیں دیکھا، جس میں زمین کی حیثیت ایک وسیع چٹیل میدان میں ایک دانہ کے برابر ہے پھر اس زمین میں انسان کی کیا حیثیت ہے یہ واضح ہے۔ لہٰذا جو بندۂ مومن اس کائنات کی آیات پر غور کرے گا اس کو آسمان و زمین کی وسعت کے مقابلے میں انسان کی حقیر اور چھوٹی حیثیت کا احساس ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و انکساری ظاہر کرے گا۔ اس کے علاوہ چارہ ہی نہیں ہے۔ انسان جسمانی لحاظ سے بھی کائنات میں چھوٹی چیز ہے اور علم، قدرت اور اختیارات میں بھی اللہ کے مقابلے میں اتنا چھوٹا ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ بات کوئی اور کہتا تو بحث ہوسکتی تھی اور کسی بزرگ اور صحابی و نبی کو استثناء ہوسکتا تھا حیرت ہے کہ یہ بات خود افضل الخلق و اوّل الخلق سیّدنا حضرت محمد ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ مشہور دعائے استخارہ کے الفاظ ہیں:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ أَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ

اے اللہ میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے بہتری طلب کرتا ہوں

اور تیری قدرت کے واسطے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں

وَ أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ

اور میں تیرے عظیم فضل وانعام کا تجھ سے سوال کرتا ہوں

فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَ لَاأَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لَا أَعْلَمُ

اس لیے کہ یقیناً تو قادر مطلق ہے اور مجھے کچھ قدرت نہیں اور تو سب جانتا ہے اور میں کچھ نہیں جانتا

وَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ...... (بخاری)

اور تو پوشیدہ چیزوں کو خوب جاننے والا ہے

ایک اور فرمانِ رسالت جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کائنات کی حقیقت کرسی

اور عرش سے تقابل کر کے بتائی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

عَنْ أَبِی ذَرٍّ، قَالَ: دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، جَالِسٌ وَحْدَهُ، قَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّ لِلْمَسْجِدِ تَحِيَّةً، وَإِنَّ تَحِيَّتَهُ رَكْعَتَانِ، فَقُمْ فَارْكَعْهُمَا ، قَالَ: فَقُمْتُ فَرَكَعْتُهُمَا، ثُمَّ عُدْتُ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّكَ أَمَرْتَنِی بِالصَّلَاةِ، فَمَا الصَّلَاةُ؟ قَالَ: خَيْرُ مَوْضُوعٍ، اسْتَكْثِرْ أَوِ اسْتَقِلَّ ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَیُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيمَانٌ بِاللّٰهِ، وَجِهَادٌ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَیُّ الْمُؤْمِنِينَ أَكْمَلُ إِيمَانًا؟ قَالَ: أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَیُّ الْمُؤْمِنِينَ أَسْلَمُ؟، قَالَ: مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَیُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: طُولُ الْقُنُوتِ ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَیُّ الْهِجْرَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ هَجَرَ السَّيِّئَاتِ ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَمَا الصِّيَامُ؟ قَالَ: فَرْضٌ مُجْزِئٌ، وَعِنْدَ اللّٰهِ أَضْعَافٌ كَثِيرَةٌ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَیُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ عُقِرَ جَوَادُهُ، وَأُهْرِيقَ دَمُهُ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَیُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟، قَالَ: جَهْدُ الْمُقِلِّ يُسَرُّ إِلَى فَقِيرٍ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَیُّ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ أَعْظَمُ؟، قَالَ: آيَةُ الْكُرْسِیِّ ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ، مَا السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ مَعَ الْكُرْسِیِّ إِلَّا كَحَلْقَةٍ مُلْقَاةٍ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ وَ فَضْلُ الْعَرْشِ عَلَى الْكُرْسِیِّ كَفَضْلِ الْفَلَاةِ عَلَى الْحَلْقَةِ .... (صحیح ابن حبان)

''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اکیلے تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! مسجد کے بھی آداب ہیں اور اس کا ایک ادب دو رکعات ہیں یعنی تحیۃ المسجد، کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعات پڑھ لو۔ میں کھڑا ہوا اور دو رکعات پڑھیں پھر میں واپس آ کر آپ ﷺ کے پاس بیٹھ

گیا۔ میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے نماز کا حکم دیا۔ یہ نماز کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک بہت اچھا کام ہے، چاہو تو تم زیادہ کرو چاہو تو کم کرو۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ایمان والوں میں سب کامل ایمان والا کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ایمان والوں میں سب سے زیادہ سلامتی والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سلامت رہیں۔ میں نے پوچھا: کونسی نماز سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس میں لمبا قیام ہو۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کونسی ہجرت افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی ہجرت افضل ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! روزے کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک فریضہ ہے جس کا بدلہ دیا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کونسا جہاد افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اُس شخص کا جہاد جس کا عمدہ گھوڑا بھی مار دیا جائے اور اس کا خون بھی بہا دیا جائے۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: غریب آدمی کا اپنے سے زیادہ حاجت مند کی حاجت پوری کرنے میں مشقت اُٹھانا۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اس میں سب سے بڑا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آیت الکرسی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! ساتوں آسمان، کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے بیابان زمین میں پڑی ہوئی ایک انگوٹھی۔ اور عرش کرسی کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے بیابان زمین انگوٹھی کے مقابلے میں............۔''

کائنات کے کناروں تک انسانی رسائی کے بارے میں سورۃ الرحمٰن میں آیا ہے:

یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ O (33:55)

''اے گروہِ جن وانس !اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل سکنے ہی کے نہیں''۔

چنانچہ سیّدنا حضرت محمد ﷺ کا معراج کی شب آسمانوں پر چلے جانا اور سدرۃ المنتہیٰ سے بھی اُوپر پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا، اشرف المخلوقات انسان کی تگ ودو کی حدودِ اقصیٰ کا تعیّن ہے۔ اسی مبارک اور عظیم سفرِ معراج کے ایک مرحلہ میں جب آپ زمین سے دُور ہوئے ہوں گے اور زمین کا ایک DETACHED VIEW لیا ہوگا تو یہ الفاظ ادا ہوئے:

اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَھَا وَ مَغَارِبَھَا، وَ اِنَّ اُمَّتِیُ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیُ مِنْھَا (مسلم عن ثوبان)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا، چنانچہ میں نے اس کے تمام مشارق و مغارب دیکھے اور یقیناً میری امت کا اقتدار وہاں تک پہنچے گا جہاں تک زمین کو میرے لیے لپیٹا گیا''

کائنات کا نظری تسخیر کا یہ میدان اور نظری حقیقتوں کا بیان ہماری تاریخ کا اہم سہی مگر اتنا عام موضوع نہیں ہے۔ اُمت کے خال خال افراد نے اس میدان میں بادیہ پیمائی کی ہے اور اپنی فتوحات کا اظہار بھی کیا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر مروی ہے۔ فرمایا:

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ، وَالْأَرْضُونَ السَّبْعُ وَمَا فِیْھِنَّ فِی یَدِ الرَّحْمٰنِ کَخَرْدَلَۃٍ فِی یَدِ أَحَدِکُمْ (الابانة الکبری لابن بطّة)

''سات آسمان اور سات زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے یہ سب رحمٰن کے ہاتھ میں اس طرح ہیں جس طرح تم میں سے کسی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ''۔

☆ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

کُلُّ مَا فِی الْکَوْنِ وَھْمٌ اَوْ خَیَال
اَوْ عُکُوسٌ فِی الْمَرَایَا اَوْ ظِلَال

ترجمہ: کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ وہم ہے یا خیال ہے یا آئینے میں عکس ہیں یا سایہ ہیں۔

☆ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وفی حدیث ابن عباس: ما السمٰوات السبع والارضون السبع وما فیھن فی ید الرحمٰن الا کخردلۃ فی ید احدکم (مجموع الفتاویٰ)

’’سات آسمان اور سات زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے یہ سب رحمٰن کے ہاتھ میں اس طرح ہیں جس طرح تم میں سے کسی کے ہاتھ میں رائی کا دانہ‘‘۔

☆ پیر مہر علی شاہ اپنی مشہور نعت میں مشاہدہ یعنی نظر آنے والی دنیا سے نظری حقیقتوں سے نہ نظر آنے والی حقیقتوں کی طرف انسانی وجدان کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

دسے صورت راہ بے صورت دا
ایہو راہ ہے عین حقیقت دا
پر کم نہیں بے سُوجھت دا
کئی ورلیاں موتی لے تریاں

ترجمہ:۔ یہ سارا مادّی نظام بتاتا ہے کہ کوئی (اس کو بنانے اور چلانے والا) ہے جو نظر میں نہیں آتا۔ یہی تصور عین حقیقت ہے۔لیکن یہ بات بے عقل لوگوں کو سمجھ نہیں آتی۔ بہت کم لوگ یہ حقیقت سمجھتے ہیں۔

خردلہ ___ تمثیل اور تصور

☆ اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات انسان کو جو صلاحیتیں بخشی ہیں، ان میں بے حد توسّع ہے اور حیران کن امکانات کی دنیا موجود ہے۔ انسان کے لیے تصوّراتی طور پر ساری کائنات (زمین بمع تمام انسان، نظامِ شمسی، سارے آسمان، ساری کہکشائیں اور اس کے علاوہ ساری کائنات) کا تصوّر کرنا ممکن ہے اور اپنے آپ کو اس خردلہ میں شامل بھی سمجھے اور خود کو اس سے جُدا بھی سمجھے کہ میں اس وقت یہ سوچ رہا ہوں۔ انسان مخلوقات میں سے غالبًا واحد مخلوق ہے جو یہ تصوّر بھی رکھتی ہے کہ میں اس وقت کیا کر رہا ہوں۔ حیوانات سے صرف افعال کا صُدور ہوتا ہے ان کو افعال کا شعور نہیں ہوتا جبکہ جمادات میں نہ تو حرکت ہے نہ شعور۔ شعورِ ذات کا یہی مقام جسے علامہ اقبال نے اپنے کلام میں ’خودی‘ کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے، جسے قرآن مجید میں ’رُوح‘ کہا گیا ہے۔ اس خودی کی مختلف کیفیات کے لیے اُردو میں روشن ضمیر، زندہ ضمیر اور مردہ ضمیر جیسی اصطلاحات

زبان زدِ عام ہیں۔

☆ انسان میں اپنے ہی افعال کا ایک شعور اور نیکی اور بدی کا احساس ہی اُسے مخلوقات کی دُنیا میں ایک ممتاز اور منفرد مقام دلاتا ہے۔ یہ خردلہ کی تمثیل اور اس سے ماوراء لامکان کا تصوّر اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مطلق کا احساس (TO FEEL) ہی معرفت خداوندی کی طرف ایک قدم ہے۔

☆ خردلہ کے اس تصور میں مادّی دنیا بھی شامل ہے۔ مادّی دنیا ایک فانی وجود ہے اور اس کائنات کا بڑا حصہ ہے جبکہ اصل حقیقت ارواحِ انسانی ہیں اور دیگر عالم امر کے حقائق ہیں جو غیر فانی وجود رکھتے ہیں۔

☆ خردلۂ کے اس محیط میں تمام انسانوں کا تصوّر کریں تو فطری طور پر انسان کو ایک درجہ بندی اور گروہ بندی کرنا لازم ہے تا کہ ہر شخص جزو سے کُل اور کُل سے جزو کی طرف اشارہ کر سکے اور مختلف اجزا کو زیرِ بحث لا سکے، ان اجزاء کے خواص بیان کر سکے۔ انسانوں میں سب سے نیچے متصور ہوں گے وہ انسان جو انتہائی درجے میں بُرے ہیں جنھوں اللہ تعالیٰ کے مدمقابل 'ربّ' ہونے کا دعویٰ کر دیا اور نیکی کا راستہ روکا۔ نیکی کے علمبردار پیغمبروں (علیہم السلام) اور ان کے ماننے والوں کو پریشان کیا اور ستایا۔ اس کے ساتھ ابلیس اور تبعاً جن بھی اور منافقین بھی۔ اس سے اُوپر کم درجے کے کافر۔ اس سے اوپر گنہگار مسلمان، پھر عام اچھے مسلمان صالحین، پھر شہداء، پھر صدیقین۔ اگرچہ ہم اس دنیا میں اس تقسیم کی تفصیل میں نہیں جا سکتے لہٰذا عملاً اچھے باعمل اور نمایاں اہل ایمان کا عنوان ان طبقات کو محیط ہوگا۔ اس طبقہ سے اوپر صحابہ کرام (تمام انبیاء علیہم السلام کے صحابہ) رضی اللہ عنہم اپنی درجہ بندی کے ساتھ اور ان میں چوٹی پر ہوں گے عشرہ مبشرہ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم علی ترتیب الخلافہ اور ابوبکر افضل البشر بعد الانبیاء یہاں کے طبقات میں چوٹی پر ہوں گے۔ قرآن مجید کے انداز بیان کے اتباع میں ہم نے خواتین کا علیحدہ تذکرہ نہیں کیا ان سب مراتب میں مرد و عورت اپنے اپنے اعمال کے مطابق شامل ہوں گے۔ اس میں سب سے اوپر جو طبقہ ہوگا وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے جو تعداد میں ایک لاکھ سے زائد ہیں پھر ان میں تین سو تیرہ مقامِ رسالت پر فائز رسول ہیں، اُن میں بھی اوپر پھر ان کی درجہ بندی ہوگی کہ اُولوا العزم من الرسل کا مقام ہوگا اور ان میں سب سے اوپر اور بلند ترین مقام پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم متصور ہوں گے۔ بقول علامہ اقبال

مقامِ مصطفیٰ ﷺ بلند ہے سرحدِ ادراک سے آگے
یہ پیکر نور کا ہے حد ِادراک سے آگے
میں اس کی رفعتوں کو حرف پہناؤں تو کیا، جس کا
زمیں پر ایک قدم ہے دوسرا افلاک سے آگے

☆ خردلیؒ کے اس تصور پر گفتگو کرتے ہوئے آیئے چند احادیث پر نگاہ ڈالتے ہیں اور اپنی سوچ کو قرآن و حدیث کے دو کناروں کے اندر اندر رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس تصور کے ساتھ جب ایک اچھا مسلمان اور اوسط درجے کا بندۂ مؤمن اپنے اعمال کو بجالائے گا، عبادات کرے گا، نماز پڑھے گا، کلمہ شہادت کا ذکر کرے گا، وضو کر کے آسمان کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے کلمہ شہادت پڑھے گا تو اس کے تصورات کس طرح اس کا ساتھ دیں گے۔

انسان ایک ذوالعقل مخلوق ہے اور یوں اس کے تمام اعمال میں اس کی صلاحیتوں کے مطابق ایک نظم، ترتیب، RATIONALE اور LOGIC ضروری اور لابدمنہ ہے۔ علامہ اقبال ایک جگہ فرماتے ہیں: ع مذہب زندہ دلاں خوابِ پریشانے نیست
یعنی سچے اہل ایمان کا دینی شعور اور دینی تصورات کسی دیوانے کے خواب کی طرح نہیں ہوتے کہ نہ سر نہ پیر، نہ کوئی موقف نہ دلیل، نہ کوئی منطقی تسلسل۔ بلکہ ایک منظّم، واضح، مدلل موقف پر مبنی ایک دینی شعور ان کے ذہن میں بڑا واضح ہوتا ہے جو دین کی جزئیات کی تشریح میں باہمی ٹکراتا بھی نہیں ہے۔ جو سوال سامنے آئے ان کا دینی شعور اس کا پورے نظام عقائد و اعمال اور تصور فرائض دینی میں سے اُس کی صحیح تشریح کر دیتا ہے۔

اس کے برعکس ہمارے ہاں عوامی مقررین جب نماز پر تقریر کریں گے تو گویا نماز سب کچھ ہے اور کل دین ہے، روزہ پر تقریر کریں گے تو گویا اصل دین یہی ہے، الغرض صبر، توکل، بسم اللہ کے فضائل، کلمے کے فضائل، جہاد، تصوف اور بیعت، جس موضوع پر گفتگو ہو گی سامع کے سامنے ایسا نقشہ بنے گا کہ بس، یہ کام کرلو تو باقی کاموں کی ضرورت نہیں آخرت کی بخشش ہو جائے گی۔ وضاحت کا یہ انداز اور دینی شعور کی یہ تعبیر حقیقت کے خلاف یعنی قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے تصورِ دین کے خلاف ہے۔

☆ شعورِ دین اور دینی تصوّرات کی وضاحت مشابہ ہے سفر معراج کے بعد پیدا ہونے والی اُس صورت حال سے، جب اہل مکہ آپ ﷺ سے بیت المقدس، فلسطین، جنت اور دوزخ کے بارے میں مختلف سوالات کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے لیے ایک خاص ماحول پیدا فرمادیا جس میں آپ نے تمام سوالات کے شافی جوابات دیے اور سب مطمئن بھی ہو گئے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

جَابِر بُن عَبُدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہما، أَنَّہٗ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ یَقُولُ: لَمَّا کَذَّبَتُنِیُ قُـرَیُـشٌ، قُـمُـتُ فِـی الُحِجُرِ، فَجَلَا اللّٰہُ لِیُ بَیُتَ الُمَقُدِسِ، فَطَفِقُتُ أُخُبِرُهُمُ عَنُ آیَاتِہٖ وَ أَنَا أَنُظُرُ اِلَیُہِ (متفق علیہ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوا سنا: ''جب قریش نے مجھ کو (واقعہ معراج پر) جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے ظاہر کر دیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ان کو اس کی نشانیاں بتانی شروع کر دیں''۔

☆ اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی سفر تبوک والی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کو ایک درخت سے تشبیہ دی ہے کہ کلمہ شہادت اس کی جڑ ہے، زکوٰۃ وصلوٰۃ اس کا تنا ہے اور پھر اس کی شاخیں ہیں پھول ہیں اور پھر سب سے اونچی چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے گویا اس طرح دین کے پورے نظام کی وضاحت ہو سکتی ہے۔

☆ اسی طرح خردلۃ کی مثال سے بھی پوری کائنات یعنی 'ماسوی اللہ' کی پوری وضاحت ہو سکتی ہے۔ خردلۃ سے عرب میں واقعی خردلۃ مراد لیتے تھے یا اس سے کسی شئے کے نہ ہونے اور معدوم ہونے کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ یہ بحث نہ بھی چھیڑی جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کے مقابلے میں کرسی اور کرسی کے مقابلے میں پوری کائنات کا حقیر ہونا اور انتہائی معمولی اور بے حیثیت ہونا واضح ہے۔

☆ اسی طرح جب انسان کلمہ طیبہ پڑھتا ہے یا قرآن مجید میں تلاوت کرتا ہے 'لا اِلٰہ اِلا ھُو' یا لا اِلٰہ کہتا ہے جس میں غیر اللہ اور ماسوی اللہ کی نفی مقصود ہے وہ بھی اسی خردلہ کے تصوّر سے ہو سکتی

ہے کہ تمام کے تمام معبودانِ باطل اسی خردلہ میں شامل ہیں۔جن انسانوں کو پوجا جاتا رہا ہے اور پوجا جاتا ہے وہ بھی اور بُت بھی اسی خردلہ میں شامل مادّی کائنات کا ایک حقیر اور نہ ہونے کے برابر حصہ ہیں۔البتہ وہ نیک لوگ اور انبیائے کرام جنہیں خدا بنالیا گیا اور پوجا گیا وہ قیامت کے دن اس اعلان سے بیزاری کریں گے۔ چونکہ ان کی مرضی اس میں شامل نہیں ہے ان کی مرضی کے خلاف ازخود لوگوں نے پوجنا شروع کردیا جیسے حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہم۔ یہ مقدس ہستیاں یقیناً اپنے اپنے اعلیٰ مقام پر ہوں گی لوگوں کا ان کو پوجنا ان کے مقام میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

☆ کتبِ حدیث میں حدیثِ جبرئیل کے نام سے ایک حدیث مشہور ہے سیّدنا حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ انسانی شکل میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی محفل میں حاضر ہوئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بے تکلفی سے بیٹھ گئے اور کئی سوالات کیے، جن کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شافی جوابات دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سائل کو پہچان رہے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اس پر متنبہ فرمایا۔

اس اہم حدیث میں ایک سوال اسلام اور ایمان کے بعد 'احسان' سے متعلق ہے کہ احسان کسے کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔ یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ایک دوسری روایت............ میں 'اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہ' کی بجائے 'اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰہ' کے الفاظ ہیں۔دونوں میں نوعیت کا فرق نہیں ہے گویا حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تمام اعمال اس طرح ادا ہوں کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ یہاں 'خردلہ' کے تصور کے ساتھ دنیا و مافیہا سے رُخ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا اور اس درجے یقین پیدا کرنا کہ انسان گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ایمان کا اعلیٰ درجہ، درجۂ احسان ہی ہے۔قرآن مجید میں اس مصدر احسان سے کئی مشتقات استعمال ہوئے ہیں جو سب اسی نقطہ کی وضاحت میں معاون ہیں اور اس کی اہمیّت کی وضاحت کرتے ہیں۔مثلاً اِحْسَان سے اسم فاعل مُحْسِنٌ ہے۔فرمایا: اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ، اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، وَ هُوَ مُحْسِنٌ، رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وغیرہ۔

☆ حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ ایک صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

سے (نمازِ فجر کے بعد) حال پوچھا: کَیُفَ اَصُبَحُتَ؟ انھوں نے بڑا شاندار جواب دیا۔ عرض کیا: أَصُبَحُتُ مُؤُمِنًا حَقًّا۔ آپ ﷺ نے ان کی تصویب فرمائی۔ گویا اوپر درج احسان کی وضاحت میں توجہ اللہ کی طرف تھی تو اس روایت میں توجہ خردلہ کے اندر کی تفصیلات سے متعلق ہے۔ اس لیے کہ خردلہ ـــ اللہ تعالیٰ کے عرش اور کرسی کے مقابلے میں حقیر ہے جبکہ خود یہ 'خردلہ' اپنی جگہ بے پناہ رعنائیاں اور انسانی خیر و شر کے طوفان لیے ہوئے ہے۔ جیسا کہ ہم آج دنیا کے معاملات میں اُلجھ کر محسوس کرتے ہیں۔ پوری روایت یوں ہے:

عَنِ الُحَارِثِ بُنِ مَالِكٍ الْأَنُصَارِيِّ أَنَّهُ مَرَّ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهُ: كَيُفَ أَصُبَحُتَ يَا حَارِثُ؟ قَالَ: أَصُبَحُتُ مُؤُمِنًا حَقًّا۔ فَقَالَ: انُظُرُ مَا تَقُولُ؟ فَإِنَّ لِكُلِّ شَيُءٍ حَقِيقَةً، فَمَا حَقِيُقَةُ إِيمَانِكَ؟ فَقَالَ: قَدُ عَزَفَتُ نَفُسِي عَنِ الدُّنُيَا، وَ أَسُهَرُتُ لِذَالِكَ لِيَلِيُ، وَاطُمَأَنَّ نَهَارِيُ، وَكَأَنِّي أَنُظُرُ إِلٰى عَرُشِ رَبِّيُ بَارِزًا، وَكَأَنِّي أَنُظُرُ إِلٰى أَهُلِ الُجَنَّةِ يَتَزَاوَرُونَ فِيهَا، وَكَأَنِّي أَنُظُرُ إِلٰى أَهُلِ النَّارِ يَتَضَاغَوُنَ فِيهَا۔ فَقَالَ: يَا حَارِثُ عَرَفُتَ فَالُزَمُ، ثَلَاثًا (المعجم الكبير، للطبراني)

''حضرت حارث بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرے تو آپ نے پوچھا: اے حارث! آج تمھیں کیسی صبح نصیب ہوئی؟ انھوں نے کہا: مجھے آج سچے مؤمن کی صبح نصیب ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: غور کرو کہ تم کیا کہہ رہے ہو، کیونکہ ہر چیز کی کوئی حقیقت ہوتی ہے تو تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میرا نفس دُنیا سے بے رغبت ہو گیا ہے اور اسی لیے میں رات بھر جاگا ہوں، اور میرا دن اطمینان بخش ہے اور (میرے یقین کی کیفیت یہ ہے کہ) میں اپنے ربّ کے عرش کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں، اور گویا جنت والوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ جنت میں ملاقاتیں کر رہے ہیں اور گویا میں جہنم والوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس میں چیخ و پکار کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: تم نے صحیح پہچان لیا، بس اس کو چمٹے رہو''۔

یہ روایت بھی اس طرح غور وفکر کو ایمان کا اعلیٰ درجہ بیان کرتی ہے۔

درجۂ احسان میں تلاوتِ قرآن مجید

قرآن مجید سمجھ کر پڑھیں یا بغیر سمجھے پڑھیں، لیٹے، بیٹھے یا کھڑے ہو کر پڑھیں، نماز میں پڑھیں یا نماز کے علاوہ پڑھیں ـــــ ہر حال میں ثواب سے خالی نہیں، صرف ثواب ہی نہیں، قرآن مجید کی تلاوت کے اثرات انسانی نفسیات، مزاج، شاکلہ (سورۃ بنی اسرائیل :84) اور رُوح پر پڑتے ہیں؛ اس لیے کہ قرآن مجید ہدایت کاملہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری رُوح کے لیے بمنزلہ غذا بھی ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کا سب سے اعلیٰ موقع نماز میں پڑھنا ہے۔ قرآن مجید میں تہجد کی نماز کی فضیلت آئی ہے اور راتوں کو جاگ کر قرآن مجید پڑھنے کا حکم آیا ہے (المزمّل :1-4) ایک تہائی رات، آدھی رات یا دو تہائی رات جاگنا اور قرآن کی تلاوت کرنا جب کہ اہلِ عرب کی مادری زبان عربی تھی، قرآن مجید کے معانی کو سمجھتے ہوئے طویل وقت پڑھنا اپنا ایک مقام رکھتا ہے۔ قرآن مجید کا زبانی پڑھنا اور خوش الحانی سے پڑھنا بھی آپ ﷺ کا ذوق اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شغف تھا۔ اس پر کتب احادیث میں موجود روایات شاہدِ عادل ہیں۔

قرآن مجید کی تلاوت کے دوران تحویل خطاب ہوتا ہے اور ضمائر بدلتے ہیں کہیں فرعون کا دربار ہے اور گفتگو ہے۔ کبھی نمرود کے دربار میں ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو ہے کہیں جنگوں کا ذکر ہے۔ کبھی سورۃ الضحیٰ ہے اور انشراح ہے کبھی المزمل اور المدثر کی تلاوت ہے۔ نماز میں رکوع ہے سجدہ ہے التحیات کی دعائیں ہیں کبھی وتروں میں دعائے قنوت اور قنوتِ نازلہ ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے کبھی اللہ واحد کے صیغے میں خطاب فرماتے ہیں 'اَنِ اعْبُدُوْنِیْ'، کبھی رسول اللہ ﷺ سے واحد حاضر کے صیغے میں خطاب ہے، کبھی انسان خود اللہ تعالیٰ کے حضور واحد حاضر کے صیغے میں مخاطب ہے۔ الغرض تحویل خطاب کا وسیع میدان ہے اور لمحوں میں گفتگو کا SCENARIO بدل جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کو ذہنی طور پر مفہوم کے ساتھ چلنے کے لیے اپنے دینی شعور اور دینی تصوّرات کو بھی اسی کے مطابق حاضر رکھنا ضروری ہے۔ گویا اسی 'خردلہ' کو کبھی وسیع کر کے دیکھا جائے گا کبھی چھوٹا کر کے کلام کا حظ اُٹھایا جائے گا کہیں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے

واحد متکلم کے خطاب کے موقع پر خردلہ کو بحیثیت مجموعی سامنے رکھا جائے گا۔ بقول اقبال

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

☆ وہ اہل علم اور اہل ایمان جو بلند اور نمایاں مراتب کی جدوجہد میں شریک ہیں ان کی رہنمائی کے لیے ہمارے اسلاف، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خود بنفس نفیس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رہنمائی چھوڑی ہے وہ اس میدان کے تمام نشیب وفراز اور گھاٹیوں کے دوران رہنمائی کے لیے کافی ہے اور معرفت خداوندی کے لیے ذہنی وقلبی کاوشوں کے سفر میں انگلی پکڑ کر چلنے کے مترادف ہے۔

دینی شعور کی پختگی اور عملی زندگی

☆ دینی شعور کی یہ پختگی ایک عرصے میں اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ 'کمال' سے ہماری مراد وہ مقام جو عام انسان کی پہنچ میں عقلاً وشرعاً ممکن ہے۔ بعض انسانی طبائع یہ درجہ تھوڑے عرصے میں حاصل کر لیتی ہیں اور بعض طبائع اس کام میں مدتُ العمر کھپا کر بھی حاصل کر لیں تو بڑی بات ہے۔

دینی شعور کی اس پختگی کے مقام کے حصول کے لیے یقیناً تقویٰ اور للّٰہیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل غیر مشروط اطاعت زادِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس راہ میں بسا اوقات انسان کا گناہوں میں ملوث ہو جانا منزل سے دُوری کا سبب بن سکتا ہے۔ فرائض دینی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کے باعث انسان اس راہ پر بار بار اُٹھے گا، چلے گا، پھر گر جائے گا۔ اللہ تعالیٰ دل کی کیفیت دیکھ کر ہی ہر مسافر کو آگے بڑھتے رہنے کا اذن عطا فرماتے ہیں۔

☆ دینی شعور کی یہ پختگی ــــــ انسان کی عملی زندگی میں دنیاوی لذّتوں سے کنارہ کشی، نیز ہوسِ زر، دولت سے محبت اور عہدہ کی محبت وغیرہ سے استغناء پیدا کرتی دیتی ہے اور 'اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ' والا فقر پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ نوعیّت کے اعتبار سے سیّدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتا ہے اور خلفائے راشدین مہدیّین رضی اللہ عنہم کی زندگیاں جس فقر کی آئینہ دار ہیں۔ اسی فقر کی کوکھ سے اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے جان و مال کھپانے اور جہاد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اسی راہ کی اگلی منزل استخلاف فی الارض یعنی دنیا میں اللہ والوں کی حکومت واقتدار کا بخشا جانا ہے۔

بقولِ علامہ اقبال

؎ مقام فکر ہے پیمائش زمان و مکان
مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

؎ چوں بہ کمال رسی فقر دلیل خسروی است
(1) مسندِ کیقباد را در تہہ بوریا طلب

اسی کو علامہ اقبال نے فقرِ قرآن اصل شہنشاہی فرمایا ہے اور اسی دینی شعور کو ’اختلاطِ ذکر و فکر‘ فرمایا ہے:

فکر را کامل نہ دیدم جز بذکر — فقر قرآن اختلاطِ ذکر و فکر
بندہ از تاثیر او مولا صفات — فقر مؤمن چیست؟ تسخیر کائنات
فقر مومن لرزہ بحر و بر است — فقر کافر خلوت دشت و در است

اسی کا اگلا مرحلہ اللہ کی رضا کے لیے جان قربان کر دینے کا جذبہ یعنی شوق شہادت ہے۔

☆ ضمنی طور پر عرض ہے کہ آج اسی دینی شعور کی پختگی کا فقدان ہے کہ ’فقر‘ کا نام و نشان نہیں اور مدرسہ و خانقاہ بھی اس دولت سے عرصے سے محروم ہیں۔ بقول علامہ اقبال(5)(6)(7)

میر و سلطان زاد و درویشے نزاد — آہ زاں قومے کہ از پا برفتاد
زندہ بے سوز و سرورِ اندروں — از سہ قرن ایں اُمت خوار و زبوں
مکتب و ملاے او محرومِ شوق — پست فکر و دوں نہاد و کور ذوق
مُرد ذوقِ انقلاب اندر دلش — تا نداند از مقام و منزلش
گرچہ گوید از مقامِ بایزید — شیخ او لردِ فرنگی را مرید

می شناسی عصر ما با ما چہ کرد! — اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
از جمالِ مصطفےٰ بیگانہ کرد — عصرِ ما ما را ز ما بیگانہ کرد

یہ فقر، یہ جہاد، یہ جان فروشی کس مقصد کے لیے ہے؟ یہ بقول اقبال پیش خدمت ہے:

’مسجدِ من ایں ہمہ روے زمیں‘ — مومناں را گفت آں سلطانِ دیںؐ
مسجدِ مومن بدستِ دیگراں — الاماں از گردشِ نُہ آسماں
تا بگیرد مسجد مولاے خویش — سخت کوشد بندۂ پاکیزہ کیش

☆ روئے ارضی پر حضرت محمد ﷺ کا لایا ہوا دین غالب کرنے کی جدوجہد ہی نشانِ منزل

ہے اور یہی حاصل زندگی ہے۔

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد
گفتم کہ نمی سازد، گفتند کہ برہم زن
با نشۂ درویشی درساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

☆ آج انسان نے ’عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا‘ والے علم میں بے پناہ ترقی کرکے انتہائی بلندیوں کو چھولیا ہے اور کائنات کے حقیقی تصور کے لیے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کردی ہے۔ آج سے چند صدیاں پہلے تک یہی بات یا وحی کی بنیاد پر حضرت محمد ﷺ کی لسانِ حق ترجمان کے ذریعے سامنے آسکتی تھی اور احادیث میں تذکرہ ہوا یا ایمانِ حقیقی کے ساتھ عقل و منطق و وجدان کے اختلاط سے قابل فہم تھی۔ وہی بات آج تجرباتی علوم نے ہماری نگاہوں کے سامنے کردی ہے۔

☆ آج انسان کی اور بالخصوص مسلمان کی عظمت ہوگی کہ ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور ایمان بالرسالت یعنی انبیاء، ملائکہ اور کتب سماویہ پر یقین کی روشنی میں جدید علوم کو پڑھیں، پرکھیں اور اس کو اپنے فہم وادراک میں سموکر اس کا اپنی تقریر وتحریر میں اظہار کریں تاکہ لوگوں کے فہم اور دینی شعور کو جلا ملے۔ خوش قسمتی سے ہمارے نزدیک اسی بات کا تذکرہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے اور یقیناً آج کے پُرفتن دور کے مخلص مسلمانوں کے لیے بڑی جانفزا اور روح افزا ہے۔ فرمانِ رسالت میں یوں الفاظ وارد ہوئے ہیں:

فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ أَعْجَبُ الْخَلْقِ اِيمَانًا؟ قَالُوا: الْمَلَائِكَةُ۔ قَالَ: وَكَيْفَ لَا يُؤْمِنُ الْمَلَائِكَةُ وَهُمْ يُعَايِنُونَ الْأَمْرَ؟ قَالُوا: فَالنَّبِيُّونَ يَارَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: وكَيْفَ لَا يُؤْمِنُ النَّبِيُّونَ، وَ الْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ، قَالُوا: فَأَصْحَابُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ: وَكَيْفَ لَا يُؤْمِنُ أَصْحَابِي وَهُمْ يَرَوْنَ مَا يَرَوْنَ؟ أَعْجَب النَّاسِ اِيمَانًا، قَوْمٌ يَّجِيئُوْنَ مِنْ بَعْدِي، يُؤْمِنُونَ بِيْ وَ لَمْ يَرَوْنِيْ، وَ يُصَدِّقُونِي وَلَم يَرَوْنِي، أُولٰئِكَ اِخْوَانِيْ (المعجم الكبير)

''آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ مخلوق میں ایمان کے اعتبار سے سب سے زیادہ تعجب والے لوگ کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: فرشتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فرشتے کیسے ایمان نہیں لائیں گے حالانکہ وہ معاملات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: انبیاء علیہم السلام۔ آپ نے فرمایا: انبیاء کیسے ایمان نہیں لائیں گے ان پر تو آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ کے صحابہ۔ آپ نے فرمایا: میرے صحابہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے وہ تو یہ دیکھتے ہیں جو ان کے سامنے ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں ایمان کے اعتبار سے سب سے زیادہ تعجب والے لوگ وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے، مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انھوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا اور میری تصدیق کریں گے حالانکہ انھوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔ وہ میرے بھائی ہیں (اُن کا علم کائنات میرے مشاہدۂ کائنات کے مشابہ ہے)''

☆ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں ایسا ہی پختہ دینی شعور عطا فرمائے اور درویشی کی حقیقت سے آشنا کردے تاکہ مستقبل قریب میں کوئی مردِ حق اُٹھ کر رُوئے ارضی پر دین مصطفیٰ ﷺ کو قائم و نافذ کردے۔ آمین۔ اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ لَنَا ھٰذَا۔

فارسی اشعار کا ترجمہ

(1) جب فقر کمال کو پہنچتا ہے خسروی کی دلیل بن جاتا ہے کیقباد کے منداس کے بوریا کے نیچے ہوتے ہیں۔ (2) قرآن کا فقر ذکر و فکر کا اختلاط ہے، ذکر کے بغیر فکر کامل نہیں ہوتی۔ (3) مومن کا فقر کیا ہے؟ کائنات کو مسخر کرنا، اس کی تاثیر سے غلام میں آقا کی صفات پیدا ہوجاتی ہیں۔ (4) کافر کا فقر جنگل اور بیابان میں جاڈیرہ جمانا ہے مؤمن کا فقر بحر و بر پر لرزہ طاری کردینا ہے۔ (5) افسوس اس قوم پر جو پستی کا شکار ہوگئی اس نے امیر اور سلطان تو پیدا کیے، کوئی درویش پیدا نہ کیا۔ (6) تین صدیوں سے یہ اُمت خوار اور زبوں حال ہے یہ جذبے اور خوش دلی کے بغیر زندہ ہے۔ (7) یہ پست فکر، کم ہمت اور بے ذوق ہوگئی ہے اس کے مکتب اور علماء شوق سے محروم ہیں۔ (8) چونکہ وہ اپنے مقام اور منزل کو نہیں جانتا اس لیے اس کے دل میں انقلاب کا ذوق ختم ہو چکا ہے۔ (9) اس کا رہنما فرنگی لارڈ کا مرید ہے اگرچہ باتیں حضرت بایزید کے مقام کی کرتا ہے۔ (10) تو جو ذوق، شوق اور سوز سے خالی ہے، پہچانتا بھی ہے کہ ہمارے دور نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔ (11) ہمارے دور نے ہم کو ہم ہی سے دور کردیا ہے اس نے ہمیں جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے بیگانہ کردیا ہے۔ (12) اس سلطانِ دین (ﷺ) نے مسلمانوں سے فرمایا: یہ تمام روئے زمین میری مسجد ہے۔ (13) نو آسمانوں کی گردش سے پناہ ہے مسلمانوں کی مسجد غیروں کے قبضے میں۔ (14) پاک فطرت بندہ زبردست جدوجہد کرتا ہے تاکہ اپنے آقا کی مسجد غیروں کے قبضے سے چھڑالے۔ (15) انھوں نے پوچھا: ہمارا جہان تمہارے لیے سازگار ہے؟ میں نے کہا: سازگار نہیں ہے۔ انھوں نے کہا: اس کو برہم کردو۔ (16) پھر درویشی اختیار کرو اور اس میں مگن ہوجاؤ، پھر جب پختہ ہوجاؤ تو خود کو اس سلطنت سے ٹکرادو۔

راہِ نجات

انجینئر مختار فاروقی

ماہنامہ حکمت بالغہ کی اشاعت کے آغاز سے ہی اس کے ابتدائی صفحات میں قرآن مجید کی آیات اوران کا ترجمہ بھی شائع کیا جارہا ہے،اس سلسلہ میں شمارہ ہٰذا میں سورۃ العصر شائع کی گئی ہے۔اسی کی مناسبت سے مدیر مسئول جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب کا اس سورۃ مبارکہ پر ایک درسِ قرآن دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔امید ہے کہ یہ درس اس سورت کی تفہیم میں قارئین کے لیے مفید ثابت ہوگا،ان شاءاللہ۔ (ادارہ)

نجات کا معنی ہے کسی سے چھٹکارا حاصل کرنا یا کسی تکلیف دہ چیز سے، پریشانی والی چیز سے یا نقصان سے بچ جانا۔ انگریزی میں اسے SALVATION کہتے ہیں۔ انسان کو اس دنیا میں جو زندگی ملی ہے، آپ بھی زندگی گزار رہے ہیں میں بھی گزار رہا ہوں، اس طرح کچھ بچے ہیں، کچھ نوجوان ہیں، کچھ ابتدائی سٹیج پر ہیں، کچھ زندگی کے آخری مراحل میں ہیں، ہر شخص کو اپنی زندگی کے بارے میں بہت سارے خدشات لاحق ہیں۔ آدمی بیمار ہو جاتا ہے، کبھی مالی نقصانات ہو جاتے ہیں، ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے یا کسی حادثے میں آدمی اپاہج ہو جاتا ہے، کسی کا والد فوت ہو جاتا ہے، کسی کے عزیز واقارب فوت ہو جاتے ہیں، کبھی اپنا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو بہت دکھ ہوتا ہے کہ اس کو پالا تھا، بڑا افسر بنانا تھا اور اسے بڑھاپے کا سہارا بننا تھا لیکن بہت ساری امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے، بہت ساری خواہشات مٹی میں مل جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اس دنیا

میں ایک خواہش ہے کہ اسے دائمی زندگی ملے۔نو جوان اس کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتے لیکن بڑی عمر کے آدمی اس کو تسلیم کریں گے کہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ میں ہمیشہ ہمیش زندہ رہوں۔قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ آدمی چاہتا ہے لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃ کہ کاش اس کی عمر ہزار سال ہو۔جس آدمی کو اس دنیا میں سہولتیں میسر ہوں وہ مرنا نہیں چاہتا، عمر چاہے سو سال سے زیادہ ہو لیکن آسودہ حال ہو، بیمار پڑا ہوا نہ ہو، وہ مرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ بھی ایک دائمی زندگی چاہتا ہے۔ یہ تو انسان کی خواہشات ہیں لیکن اس کے برعکس جو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب آدمی پچاس سال کا ہوتا ہے (آج پاکستان میں اوسط عمر پچاس سال ہے) بہت سارا پیسہ کماتا ہے بہت ساری خواہشات رکھتا ہے مکانات بناتا ہے کاروبار چلاتا ہے لیکن بالآخر ایک فرشتہ آتا ہے اور اس کی روح کو لے جاتا ہے۔ رشتہ دار اور تعلق والے سب پریشان ہو جاتے ہیں۔وہ آدمی جو چاہتا تھا کہ ہمیشہ زندہ رہوں اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

ہم عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی شاید تاریخِ پیدائش اور تاریخِ وفات کے درمیان کے وقفے کا نام ہے لیکن یہ حقیقت نہیں ہے۔علامہ اقبال کی ایک مشہور نظم ہے بانگ درا میں 'زندگی'، جس میں انہوں نے کہا ہے:

ع جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

اس دنیاوی زندگی کی جو شام ہوتی ہے وہ ایک آنے والی لمبی زندگی کی صبح ہے۔اس دنیاوی زندگی کی موت آئے گی تو دوسری زندگی کی ابتدا ہو جائے گی۔زندگی کی اس حقیقت سے جو بات سامنے آتی ہے اسی کی روشنی میں دراصل ہم نے نجات کی راہ پر بھی غور کرنا ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے لوگ آئے ہیں ہر شخص کے دل میں ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش ہوتی ہے۔کسی نے تاج محل بنا دیا کہ چلو میں تو نہیں رہوں گا میرے بعد لوگ یاد کریں گے کہ کسی نے تاج محل بنایا تھا۔ کسی نے کوئی اور یادگار بنادی، کسی نے قطب مینار بنا دیا، کسی نے عراق میں بابل کے معلق باغات بنا دیے، کسی نے اہرامِ مصر بنا دیے۔آج سے ساڑھے تین ہزار سال پہلے مصر میں فرعون نام کے حکمران بادشاہ تھے جن کے پاس بڑے وسائل تھے اور ان میں ہر بادشاہ یہی چاہتا تھا کہ وہ ہمیشہ رہے لیکن یہ اپنی جگہ پر حقیقت ہے کہ آدمی نے تو مرنا ہی ہے۔لہٰذا انہوں نے اہرام مصر بنائے۔

جو بھی بادشاہ آتا تھا وہ فرعون کہلاتا تھا فرعون کسی بادشاہ کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ان کا لقب تھا، ہر بادشاہ کا نام الگ تھا لیکن کہلاتا فرعون تھا۔ جیسا کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت آئی تھی اس میں بابر، ہمایوں، اکبر یہ سارے حکمران مغل بادشاہ کہلاتے تھے، لیکن نام ان کے الگ ہیں شاہ جہان، اورنگ زیب وغیرہ۔ اسی طرح فراعنہ مصر تھے وہ فرعون کہلاتے تھے یہ ان کا لقب تھا۔ ان میں ایک بڑا بادشاہ تھا جس کا نام خوفہ تھا۔ اس نے اپنا مقبرہ اپنی زندگی میں ہی بنوالیا تھا اس نے 16 ایکڑ پر رقبے پر ایک ہی عمارت بنائی 900 فٹ لمبی، 900 فٹ چوڑی اور 500 فٹ اونچی ایک عمارت بنائی، ایک سائز کے بڑے بڑے پتھروں والی، جو آج بھی موجود ہے۔ یہ کس بات کی طرف اشارہ تھا؟ اسی میں اس کو دفنایا گیا اور اسی میں اس کا خزانہ رکھ دیا گیا۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ میں نہیں رہوں گا لیکن دنیا کے اندر میری یاد ہمیشہ رہے گی کہ فلاں بادشاہ نے یہ عمارت بنوائی۔ یہ اہرام بتا رہے ہیں کہ ہر انسان کے اندر ایک خواہش ہے، اندر سے ایک 'ہوک' اُٹھتی ہے کہ میں کسی طرح ہمیشہ زندہ رہوں، مجھے دائمی زندگی مل جائے، مجھے موت نہ آئے۔ قرآن مجید میں ہے کہ کافر ایسی عمارتیں بناتے ہیں جیسے انہوں ہمیشہ رہنا ہے۔ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ (129:26) آج بھی انسان کا یہی حال ہے۔ یہاں بھی یہی حال ہے۔ جھنگ کی کوٹھیاں ہوں یا لاہور کی یا کراچی کی، بحریہ ٹاؤن ہو یا ڈیفنس، ان کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید بنوانے والا سمجھتا ہے کہ میں نے ہمیشہ ہمیش رہنا ہے۔

نجات کی راہ کیا ہے؟

اب اس پر غور کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو خواہش ڈالی ہے اس کی کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہے۔ ہر انسان کا خواب ہے کہ میں ہمیشہ رہوں تو اس خواب کی کوئی تعبیر بھی ہے۔ اس کی حقیقی تعبیر یہ ہے کہ ایک راہ ایسی ہے جس پر چلنے سے انسان کو دائمی زندگی مل سکتی ہے کہ انسان کبھی نہیں مرے گا، وہ راہ 'نجات کی راہ' ہے اگر انسان اس راستے پر نہ چلے تو نقصان ہی نقصان ہے اور اس صورت میں انسان کی جو دائمی زندگی ہوگی اس میں لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى کی کیفیت ہوگی۔

نجات کی راہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کو جو پریشانیاں اور جو تفکرات ہیں کہ یہ ہو جائے

گا وہ ہوجائے گا، صلاحیتیں چھن جائیں گی، بینائی ختم ہوجائے گی، زندگی مشکل ہوجائے گی کدھر کدھر بھاگیں گے......ایک وقت میں جسم بھی چھین لیا جائے گا، یہ زندگی ختم ہو جائے گی۔ قرآن بتارہا ہے کہ ایک نجات کی راہ ہے۔ اگر آپ اللہ کی بات مان لیں، اللہ کے رسول ﷺ کی بات مانیں تو نجات کی راہ موجود ہے۔ اگر آپ اس راستے پر چل پڑیں جو بتایا جارہا ہے تو پھر آپ کو ایک دائمی اور ہمیشہ ہمیش کی زندگی مل جائے گی۔ اس بات کو ایک دوسرے انداز میں قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ العصر تیسویں پارے میں 103 نمبر سورت ہے اور تین آیات پر مشتمل ہے، قرآن مجید کی مختصر سورتوں میں سے ہے۔ فرمایا:

وَالْعَصْرِ O............ ''زمانے کی قسم ہے۔ زمانہ گواہ ہے''

آپ دائیں بائیں دیکھیں، آج کے زمانے میں دیکھیں۔ پاکستان میں دیکھیں جاپان میں امریکہ میں غرض ہر جگہ دیکھیں اور ماضی میں سو سال پہلے، ہزار سال پہلے، ہزاروں سال پہلے دیکھ لیں

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ O

''بے شک تمام انسان (HUMANITY AT LARGE) خسارے میں ہیں''

خسارے سے بچنے والے بھی کچھ لوگ ہیں ایک اقلیت ہے تھوڑے سے لوگ ہیں جو اس خسارے سے بچ جاتے ہیں جن کو دائمی زندگی نصیب ہوجائے گی۔ وہ کون لوگ ہیں؟ جو چار شرطیں پوری کریں یا جو چار کام کریں اُن کو دائمی زندگی مل سکتی ہے۔ وہ شرائط یہ ہیں:

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ''جو ایمان لائے'' وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ''اور جنھوں نے اچھے کام کئے''

ایمان کے تقاضے پورے کیے، اس راستے پر جو آگے بڑھانے والی چیزیں ہیں ان کو اختیار کیا۔

وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ''اورانہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو حق بات کی تلقین کی''

یعنی دوسروں کو بھی مشورہ دیا کہ آپ بھی ایسے کرلیں تو آپ کی بھی دائمی زندگی سنور جائے گی یا آپ کو یہ کوتاہیاں نہیں کرنی چاہیے ورنہ آپ کی آئندہ زندگی میں مشکلات ہوں گی۔

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ O ''اورانہوں نے ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی''

اس راستے میں کچھ مشکلات بھی آئیں گی اور مشکلات آتی ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک آدمی کوئی بات کہہ رہا ہو تو دوسرا لازمی اس کی تصدیق کرے۔ بحث و مباحثہ ہوتا ہے اور کبھی

لڑائی جھگڑا بھی ہوجاتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے کہا ہے کہ وَتَوَا صَوُا بِالصَّبُرِ اگر آپ لوگوں کو راہِ نجات کی تلقین کریں گے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ سب آپ کی بات مان بھی لیں لیکن پھر بھی آپ اپنی بات کہتے رہیں کوئی مانے یا نہ مانے۔ یہ چار شرائط ہیں جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ چار ٹارگٹ حاصل کرلیں تو بس آپ نقصان سے بچ سکتے ہیں اور آپ کی زندگی دائمی خوشگوار زندگی بن سکتی ہے۔

خسارے کا مفہوم

اس آیت کی رو سے خسارے کا لفظ غور طلب ہے۔ خسارہ کسے کہتے ہیں؟۔قرآن مجید میں جو الفاظ آئے ہیں کہ زمانہ گواہ ہے کہ اللہ نے سب انسانوں کو ایسا بنایا ہے کہ اگر وہ اُس راستے پر چلیں جس سے انہیں دائمی زندگی ملے مگر اکثریت انسانوں کی ایسی ہے کہ اس راستے کے تقاضے پورے نہیں کرتی اور عیاشی، بدمعاشی وغیرہ میں لگ کر اپنے فوری فائدے کے لئے اپنا دائمی نقصان کرلیتی ہے۔فرمایا: وَالْعَصُرِ زمانہ اس پر گواہ ہے۔ اکثر لوگوں کو دائمی زندگی کی خواہش ہے لیکن اس کے تقاضے پورے نہیں کر رہے ہیں اس کے لئے جو قربانی دینی چاہیے، اس کے لئے جو ایثار کرنا چاہیے، وقت خرچ کرنا چاہیے، خواہشات پر کنٹرول کرنا چاہیے وہ کام نہیں کرتے ہیں۔ خواہشات پوری کرنا چاہتے ہیں ساتھ ہی دائمی زندگی چاہتے ہیں، ایسا نہیں ہوگا۔اس خسارے پر سارا زمانہ گواہ ہے۔ اس وقت دنیا کی آبادی 700 کروڑ سے زیادہ ہے، لیکن ان میں سے کتنے لوگ ہیں جو آخرت کے متعلق سوچتے ہیں اور ان شرائط کو پورا کر رہے ہیں بہت کم لوگ ہیں شاید ایک فیصد بھی نہیں۔ خسارہ عربی لفظ ہے اردو میں بھی بولا جاتا ہے۔کوئی آدمی ہے جس کے پاس کئی لاکھ کا سرمایہ ہے، وہ کوئی کام شروع کرتا ہے، سال بعد اس کا سارا سرمایہ ختم ہوجاتا ہے، اس کے پاس پہلے سرمایہ تھا اب ختم ہوگیا اس کو کہتے ہیں کہ خسارہ ہوگیا۔ ایک چیز اس کے پاس تھی وہ کچھ عرصے میں ختم ہوگئی۔ کسی کے پاس آج صحت ہے، مگر وہ ایسے کام کرتا ہے کہ وہ صحت خراب ہوجاتی ہے کسی کے پاس آج عہدہ ہے اور کل وہ عہدہ ختم ہوجاتا ہے یا کسی کو آج عزت حاصل ہے لیکن وہ کام ایسے کرتا ہے کہ کل اس کی عزت ختم ہوجاتی ہے یہ خسارہ ہے۔ آپ کے پاس کوئی چیز موجود ہے اور آپ اس کے تقاضے پورے نہیں کرتے لہٰذا وہ آپ سے چھن جاتی ہے۔ اسی طرح اُردو

میں بیوی کے والد جس کو انگریزی میں FATHER IN LAW کہتے ہیں اس کو سسر یا خسر کہتے ہیں یہ بھی اسی لفظ سے بنا ہے۔ایک آدمی کے گھر ایک بیٹی ہے 18-20 سال کھلایا پلایا ہے، پالا پوسا ہے لیکن وہ اس سے چھن جاتی ہے وہ اسے دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔کوئی چیز اس کے پاس تھی اب وہ نہیں رہی اب وہ اس گھر کا فرد نہیں رہی کبھی کبھار آتی ہے۔ یہ خسارہ کا مفہوم ہے۔ قرآن مجید ایک دوسری جگہ پر کہتا ہے کہ سب سے بڑا خسارہ کیا ہوسکتا ہے؟ یہ دنیا کا خسارہ ہے کہ انسان کے پاس صحت ہے، مال ہے، عزت ہے، عہدہ ہے بہت ساری مثالیں دنیا میں موجود ہیں حکمران ہوتے ہیں اس وقت فرعون بنے ہوتے ہیں پھر دو، چار یا پانچ سال بعد دیکھتے ہیں کہ ہتھکڑیاں پہنی ہیں، پولیس کبھی اس عدالت میں، کبھی اس عدالت میں لے جا رہی ہے۔ایک آخرت کا خسارہ ہے۔انسان کے اندر اس بات کا امکان ہے اللہ نے انسان کے اندر وہ سارا POTENTIAL رکھا ہے کہ اگر انسان نیک کام کرے تو اس کو دائمی زندگی حاصل ہو۔اچھے کام کرے تو آخرت میں دائمی زندگی مل جائے جو کبھی ختم نہ ہونے والی ہو۔لیکن اکثر لوگ ایسی زندگی گزارتے ہیں کہ دنیا میں بھی خسارہ اور آخرت میں بھی خسارہ۔ خَسِرَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃَ ۔ صرف دنیا کا خسارہ کم نہیں تھا لیکن دنیا میں بھی خسارہ ہو جائے اور آخرت میں بھی کچھ نہ ملے ذٰلِکَ ہُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِیۡنُ یہ سب سے بڑا خسارہ ہے اس سے زیادہ انسان کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت اور کوئی نہیں۔

دائمی زندگی کے حصول کا واحد طریقہ

یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ ہم میں ہر شخص جو دائمی زندگی چاہتا ہے اس کا جواب اگر ہے تو صرف قرآن مجید میں ہے اس کے علاوہ دنیا کا کوئی فلسفہ، مذہب، سوچ، کسی آدمی کے خیالات انسان کو دائمی زندگی کی گارنٹی نہیں دے سکتے۔وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جنہوں نے یہ بتایا ہے کہ ایک اور زندگی آئے گی جو دائمی زندگی ہے۔اگر کوئی یہاں ایسے کام کر جائے جو اللہ بتا رہا ہے تو دنیا بھی اچھی گزر جائے گی اور موت کے بعد والی زندگی بھی۔موت ختم ہونے کا نام نہیں ہے، موت تو ایک دائمی زندگی کے آغاز کا نام ہے۔جیسے بچے سکولوں میں پڑھتے ہیں پھر کالج میں پھر اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں پھر تعلیمی زندگی ختم کر کے عملی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ایک طریقہ زندگی

سے گزر کر تعلیمی زندگی ختم کر کے عملی زندگی میں قدم رکھ دیتے ہیں۔ پہلے آدمی اکیلا ہوتا ہے پھر شادی ہو جاتی ہے یہ زندگی کی مختلف STAGES ہیں۔اسی طریقے پر اس دنیا کی زندگی سے موت کے بعد انسان دوسری زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔موت ختم ہونے کا نام نہیں اگر موت ختم ہونے کا نام ہو تو پھر اس دنیا کے نتائج ہی اور ہوں۔ بے شمار لوگ لوٹ کھسوٹ کر رہے ہیں دوسروں کا حق مار رہے ہیں ناجائز پیسہ جمع کر رہے ہیں قرآن مجید کے نزدیک اس کا نتیجہ نکلنا ہے اور ہر آدمی کا حساب کتاب ہونا ہے۔اگر موت ختم ہونے کا نام ہو تو جو لوگ اربوں روپے کھا جاتے ہیں فائدے میں ہیں یعنی حرام کھایا، مر گیا اور ختم ہو گیا، کوئی حساب ہی نہیں۔ یہ خواہش تو ہو سکتی ہے کہ ہم سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہو مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے ایک اور زندگی مرنے کے بعد آنے والی ہے۔ یہ زندگی عارضی زندگی ہے۔موت کے ذریعے ہمیں ایک دوسری زندگی میں داخل ہونا ہے اور وہ زندگی دائمی زندگی ہے۔حضور ﷺ کا ایک خطبہ ہے جس میں آپ نے خوبصورتی کے ساتھ آخرت کی دائمی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

وَ اللّٰهِ اِنَّكُمْ لَتَمُوْتُنَّ كَمَا تَنَامُوْنَ

اللہ کی قسم !اے لوگو، تم سب مر جاؤ گے جیسے (روزانہ) سو جاتے ہو۔

ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُوْنَ

پھر یقیناً اُٹھائے جاؤ گے جیسے (ہر صبح) بیدار ہو جاتے ہو،

ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

پھر لازماً تمہارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا

ثُمَّ لَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَ بِالسُّوْءِ سَوءً

اور پھر لازماً تمہیں بدلہ ملے گا اچھائی کا اچھا اور برائی کا برا۔

وَ اِنَّهَا لَجَنَّةٌ اَبَدًا اَوِ النَّارُ اَبَدًا (الرحیق المختوم)

اور وہ جنت ہے ہمیشہ کے لیے یا آگ ہے دائمی

موت ختم ہونے کا نام نہیں یہ ایک آرام کا وقت ہے۔اس کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔ یہ ہے آخرت کی زندگی، ہمیشہ ہمیش کی زندگی۔دائمی زندگی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آدمی

اس دنیا میں غلطیاں کرے اور وہاں سزا پائے۔ وہ بھی زندگی ہے لیکن اصل دائمی زندگی ہم اس کو کہیں گے کہ انسان یہاں اچھے کام کرے وہاں امن وسکون واطمینان کے ساتھ دائمی زندگی گزارے جس میں نہ کوئی پریشانی ہو نہ کوئی دباؤ ہو نہ کسی عزیز کے فوت کی غمی ہو اور نہ کسی اور نقصان کا کوئی خدشہ ہو وہاں آرام ہی آرام اور سکون ہی سکون ہو۔ قرآن مجید ہمیں اس حوالے سے بات سمجھا رہا ہے کہ ہر انسان کی جو دائمی زندگی کی خواہش ہے اس کے لئے اس دنیا میں اپنی یادگاریں چھوڑ کر جاتا ہے، تختیاں لگواتا ہے، پتھر لگواتا ہے، کسی افتتاح پر اپنے نام کی تختیاں لگاتا ہے تاکہ لوگ یاد رکھیں کہ یہ اس نے بنوائی تھی۔ تاج محل اسی طرح بنا ہے، بابل کے باغ اسی طرح تھے، باشاہوں کے محلات اسی طرح ہیں وغیرہ۔ ہر آدمی کے اندر دائمی زندگی کی خواہش ہے اور یہ خواہش آپ کے اندر بھی ہے میرے اندر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی کو مخاطب کر رہا ہے اسی کو زیر بحث لا رہا ہے کہ جناب یہ خواہش ہے تو یہ نہیں ہے کہ اس کو ایک طرف ہی رکھ دیا جائے۔ اس خواہش کا ایک حصہ آپ کو مل سکتا ہے بشرطیکہ اس کے لیے قربانی دیں۔ آخرت کی دائمی زندگی آپ کو بھی میسر آسکتی ہے بشرطیکہ آپ یہ چار کام کر لیں جو قرآن مجید کہتا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ جنت میں جو خوش نصیب لوگ جائیں وہ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا وہ ہمیشہ ہمیش جنت میں رہیں گے۔

فساد سے بچاؤ کا راستہ: سورۃ العصر

قرآن مجید کی یہ سورۃ العصر ہمیں نجات کی راہ اور خسارے سے بچاؤ کا راستہ بتا رہی ہے اور سادہ الفاظ میں خسارے سے بچاؤ یہ ہے کہ میاں تم کیا سوچ رہے ہو تمہارے پاس جو چیز بھی ہے وہ تم سے چھن جانی ہے آج تمہارے پاس صحت ہے چھن جائے گی، آنکھیں ہیں چھن جائیں گی جسم ہے ختم ہو جائے گا، حتیٰ کہ تمہاری یہ جو دنیا کی زندگی ہے تمہیں موت آئے گی تمہارے رشتہ دار تمہیں قبر میں دفنا آئیں گے۔ ایک ہی شکل ہے کہ اگر تم آخرت پر ایمان لا کر اس کے مطابق کچھ کام کر لو تو تمہیں مثبت دائمی زندگی مل سکتی ہے جہاں پر نہ کمانے کی فکر ہو گی، نہ انسانی مصیبتیں مثلاً بیماری، پریشانی، تھکاوٹ۔ ان ساری پریشانیوں سے اس زندگی میں مستقل طور پر نجات مل جائے گی۔ وہاں سے متعلق قرآن مجید اور احادیث میں وضاحت آئی ہے کہ انسان

وہاں ایک خاص عمر میں داخل کیا جائے گا۔حدیث کے مطابق 30-35 سال کی عمر میں انسان (چاہے جوانی میں فوت ہوا ہو چاہے بوڑھا ہو کر) اس میں داخل کیا جائے گا عمر نہیں بڑھے گی، ناخن نہیں بڑھیں گے، بال نہیں بڑھیں گے، بیماری نہیں ہوگی، پریشانی نہیں ہوگی، یہ وہ دائمی زندگی ہے جس کا اس دنیا میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ دنیا میں کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک بحریہ ٹاؤن یا کسی اور سوسائٹی میں ایک بہت بڑا بنگلہ بنا لیا ہے یا خرید لیا ہے بہت اچھی جگہ ہے چاروں طرف باغ ہیں اس میں ہرن ہیں پرندے ہیں جانور ہیں اور بہت سی خاص جگہیں ہیں۔لیکن حقیقت یہ کہ اس دنیا میں آپ جتنا بڑا گھر بنا لیں اور کتنے ہی اچھے ماحول میں بنا لیں کبھی بجلی چلی جائے گی کبھی پنکھا خراب ہو جائے گا۔اس طرح کی اور پریشانیاں ہوتی ہیں۔ دنیا میں جتنا بڑا گھر بنایا جاتا ہے اس کا اتنا ہی زیادہ خرچہ ہوتا ہے۔کچھ لوگ دنیا میں گھر بنا لیتے ہیں مگر وہ دائمی نہیں ہوتا، مشاہدہ میں آیا ہے کہ کتنے لوگ ہمارے سامنے ریٹائر ہوتے ہیں پہلے آرزو کرتے ہیں کہ ریٹائر ہوں گے تو گھر بنانا ہے (کیونکہ ساری عمر کرائے کے مکان میں گزاری ہوتی ہے) ریٹائر ہوتے ہی مکان بنایا مگر ابھی پورے طریقے سے شفٹ نہیں ہوتے کہ ملک الموت آجاتا ہے۔

دائمی زندگی کے حصول کی شرائط

اس دائمی زندگی کو حقیقتاً حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ العصر میں چار شرائط بیان کی ہیں۔ یہ چاروں شرائط لازمی ہیں تب ہمیں وہ دائمی زندگی مل سکتی ہے اور ہم خسارے سے بچ سکتے ہیں اور اگر چاروں شرائط پوری نہ ہوں گی تو کامیابی حاصل نہ ہوگی۔ مزید یہ کہ یہاں کم سے کم کا ذکر ہے، اونچے درجوں کا ذکر نہیں۔اگر یہ ہو کہ یہ چار کام کرنے سے اعلیٰ درجے کی زندگی ملے گی تو پھر آدمی سوچ سکتا ہے کہ چلو 1st ڈویژن نہ سہی 2nd سہی، 3rd سہی، پاس تو ہو جائیں گے۔انداز یہ نہیں ہے۔انداز یہ ہے کہ کم از کم پاس مارکس جو ہو سکتے ہیں اگر تم چار کام کر لو تو پھر فیل ہونے سے بچ جاؤ گے۔ وہ سزا والی دائمی زندگی سے بچ جاؤ گے۔لہٰذا یہ چاروں شرطیں پوری کرنا لازمی ہیں۔اور وہ یہ ہیں:

1۔ پہلی شرط: ایمان

الحمدللہ ہم مسلمان ہیں اور کئی اصطلاحات اور الفاظ کی طرح ہمارے گھروں میں ایمان

کا لفظ بولا جاتا اور بچے بھی اگر کسی کا حق مارا جائے، باری نہ ملے تو کہتے ہیں کہ بے ایمانی ہوگئی۔ ایمان کا مطلب ہم سمجھتے ہیں مگر اس کے تقاضے پر بھی غور کرنا ہوگا۔ ایمان کا لفظ امن سے بنا ہے اور جس کو ایمان حاصل ہو تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ اس کو سکون کی کیفیت حاصل ہو۔ ایمان کا ایک حصہ اقرار باللسان کہلاتا ہے دوسرا تصدیق بالقلب ہے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان زبان سے گواہی دے "اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ"۔ یہ اقرار باللسان ہے۔ جو آدمی یہ کہے وہ مسلمان کہلاتا ہے اسے صاحب ایمان کہتے ہیں۔ لیکن کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی غلطی کر کے کہیں پکڑا جاتا ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ کام کیوں کیا؟ تو دل میں اور بات ہوتی ہے مگر آدمی زبان سے اور بات کہہ رہا ہوتا ہے۔ بچہ سکول سے گھر لیٹ پہنچے اور اس سے پوچھا جائے تو وہ دل میں حقیقت جاننے کے باوجود زبان سے اور بات کرے گا کہ صحیح بات کرنے سے پٹائی ہوگی۔ گھر سے سکول دیر سے جائے تو بھی یہی معاملہ ہوتا ہے کہ بچہ جھوٹ بولتا ہے یہ عام مثالیں ہیں کہ دل میں اور بات ہو اور زبان پر اور بات ہو۔ اس بات کی تصحیح ہونی چاہئے۔ اس کو قرآن کہتا ہے کہ اور معاملات میں تو اصلاح ہوتی رہے گی مگر ایمان کے بارے میں انسان زبان سے اقرار کرے اور دل میں یقین نہ ہو تو بات نہیں چلے گی۔ اس لئے کہا گیا کہ پہلا حصہ زبان سے اقرار ہے اور دوسرا یہ ہے کہ زبان کی کہی ہوئی بات دل میں بھی ہو۔ اور دل اور زبان کی کیفیت ایک ہی ہو یہ ایمان حقیقی ہے۔ اگر ایسا ایمان پیدا ہو جائے تو قرآن اس ایمان کی بہت شان بیان کرتا ہے۔ اچھے انداز سے تذکرہ کرتا ہے گویا انسان دائمی زندگی کے راستے پر چل پڑا ہے۔

2۔ دوسری شرط: عمل صالح

یہ بات ایمان کا حصہ ہے کہ ہم اللہ کو، محمد رسول اللہ ﷺ کو مانتے ہیں قرآن اور فرشتوں کو مانتے ہیں۔ آخرت کی زندگی کو مانتے ہیں یہ دنیاوی زندگی مکمل نہیں ہے کہ اچھوں کا اچھا نتیجہ اور بروں کا برا نتیجہ نہیں نکلتا۔ مرنے کے بعد اور زندگی ہے جو نبیوں نے بتائی ہے۔ کوئی فلسفی یا سائنسدان نہیں بتا سکتا۔ صرف نبیوں نے یہ بات بتائی ہے۔ یہ ایمان ہے یہ پہلا نشان ہے اگر آپ صحیح راستے پر ہیں تو یہ نشان آتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ جھنگ سے ٹوبہ جا رہے ہیں 10 کلومیٹر کے بعد قصبہ باغ آتا ہے، آپ گاڑی پر سفر شروع کریں اور پندرہ بیس منٹ تک

قصبہ باغ نہ آئے تو آپ سمجھ جاتے ہیں کہ غلط سڑک پر آ گئے ہیں۔ اگر آپ سیدھے راستے پر ہیں تو یہ منزل آنی چاہئے۔ اگر نجات کی راہ پر چل پڑے ہیں، ایمان آپ نے پا لیا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب ہے تو اگلی منزل نظر آنی چاہئے اور وہ منزل ہے عمل صالح۔ جیسے ٹوبہ جاتے ہوئے باغ آنا چاہئے اسی طرح ایمان صحیح ہے تو انسان کا عمل بھی بدلنا چاہئے اس کی سوچ، باتیں، گفتگو، اٹھنا بیٹھنا، سونا، جاگنا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق ہونا چاہئے۔ البتہ اس میں غلطی کوتاہی ہوجانا الگ بات ہے۔ اگر کسی شخص نے دائمی زندگی حاصل کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تو وہ رات کو جب چاہے سوئے، صبح جب چاہے اٹھے۔ لیکن اگر اس نے فیصلہ کرلیا کہ میں آخرت کی زندگی چاہتا ہوں اور ایمان بھی حاصل کرلیا ہے اور عمل صالح پر چلنے کا فیصلہ کرلیا ہے تو سونے جاگنے کے اوقات بدلنے ہوں گے، زندگی بدلنی ہوگی۔ ورنہ ایمان صرف زبان تک محدود ہے۔ یہ تبدیلی دراصل عمل صالح ہے۔ مزید یہ کہ انسان کے اندر خواہشات ہیں ان کو قابو کرنا عمل صالح ہے۔ اور یہ فیصلہ کون کرے گا کہ عمل صالح کس کس چیز کا نام ہے؟ آخرت کے بارے میں آنحضور ﷺ نے بتایا ہے اور دائمی زندگی اللہ نے دینی ہے۔ لہٰذا اس راستے کے تقاضے بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ بتائیں گے۔ عمل صالح وہی ہوں گے جو اللہ نے بتائے ہیں جو آنحضور ﷺ نے واضح کر دیے ہیں۔ امریکہ کا ایک نوجوان جو اللہ کو نہیں مانتا یا جو عیسائی ہے اس کے اور مسلمان کے ٹائم ٹیبل میں فرق ہوگا۔ مسلمان اور ہندوؤں کے ٹائم ٹیبل میں فرق ہوگا لائف سٹائل، سونے، جاگنے میں فرق ہوگا۔ ہم مسلمان دائمی زندگی کی بات کرتے ہیں وہ دائمی زندگی کو مانتا ہی نہیں ہے۔ تو اس کا طرز عمل اور ہوگا ہم مسلمانوں کا طرزِ عمل اور ہونا چاہیے، ترجیحات کا فرق ہوگا۔

عمل صالح ہر اس عمل کا نام ہے جو اللہ نے ہمارے لئے معین کر دیے ہیں۔ سادہ الفاظ میں ہر وہ کام جو حضرت محمد ﷺ نے اختیار کیا ہے اور ہمیں بھی ایسا ہی کرنے کی تلقین کی ہے۔ آپ ﷺ نے بعض کام ایسے کیے ہیں جو خصوصی طور پر صرف آپ ﷺ کے لئے تھے، ان کو چھوڑ کر باقی سب کام جو آپ ﷺ نے بتائے ہیں اور حکم دیا ہے وہ سارے کام کرنے ہوں گے اور یہ بات

بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ دین کے سارے کام ایک ہی وقت میں کرنے کے نہیں ہیں۔ ایک کام آج ہے۔ ابھی آدمی کھانا کھا رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد اذان ہوگی نماز پڑھنی ہوگی پھر جہاد کا حکم دیا جائے گا تو جہاد کے لئے نکلنا ہوگا۔ کاروبار میں جائے گا تو اس کے معاملات ہوں گے۔ ایک نوجوان کے تقاضے اور ہیں جب اس کی شادی ہوگی اس کے تقاضے اور ہوں گے۔ ابھی کوئی آدمی اکیلا ہے پھر اس کے بچے ہوں گے پھر اس کے بچے جوان ہوں گے اس وقت کے تقاضے اور ہیں۔ سارے احکامات پر ایک ہی وقت میں عمل نہیں کیا جا سکتا۔ آدمی میں جذبہ ہونا چاہئے کہ جو آج تقاضے ہیں وہ آج ہی پورے کر رہا ہوں جو 20 سال بعد کے تقاضے ہوں گے وہ تب پورا کروں گا جو 30 سال کے بعد کے تقاضے ہوں گے وہ تب پورا کروں گا۔ تو ہر شخص کو ارادہ کرنا چاہئے کہ مجھے بہر حال دین پر چلنا ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے دائرے کے اندر اندر زندگی گزارنی ہے۔

3۔ تیسری شرط: تواصی بالحق

اگر اسے بھی عمل صالح کا حصہ سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عمل صالح یعنی تواصی بالحق بھی کرو۔ اور اگر الگ سمجھا جائے تو مطلب ہوگا کہ عمل صالح بھی کرو اور تواصی بالحق بھی کرو۔ نماز روزہ بھی کرو اور دین کو دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ اللہ کے دین کو اللہ کی مخلوق تک پہنچانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ آج محمد ﷺ کے بعد 1400 سال گزر چکے ہیں لیکن اگر آج ہم اللہ کا نام لیتے ہیں قرآن پڑھتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو یہ چیزیں ہمیں کس نے پہنچائی ہیں براہ راست آپ ﷺ سے ہم نے نہیں سنی بلکہ آپ ﷺ نے کچھ لوگوں تک یہ پیغام پہنچایا اور عمل کر کے بتایا۔ انہوں نے اس کو سمجھا اور آگے پہنچایا پھر انہوں نے آگے پہنچایا پھر انہوں نے آگے پہنچایا۔ اسی طرح کسی نے ہم تک یہ دین پہنچا دیا ہے اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اسے آگے پہنچائیں۔ بڑی کوتاہی ہوگی کہ ہم تک تو یہ پیغام پہنچ جائے، ہم کامیابی کے راستے پر چل پڑیں، مگر اگلی نسل کو نہ پہنچائیں۔ اگلی نسل ہمیں بُرا کہے کہ خود عمل کر لیا مگر ہم تک نہ پہنچایا۔ تو یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم حق بات کرتے رہیں، کہتے رہیں، لوگوں کے کانوں میں ڈالتے رہیں کوئی سنے یا نہ سنے، کوئی مانے یا نہ مانے، کوئی بات نہیں، ہمارا کام پیغام پہنچانا ہے۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں رسول

کو انگریزی میں MESSANGER کہتے ہیں اور رسالت کو MESSAGE۔ محمد ﷺ پیغامبر ہیں۔ اس کے معنی بھی پیغام لانے والے کے ہیں۔ آپ ﷺ کے پاس اللہ کی طرف سے جو پیغام آیا تھا اس کو لوگوں تک پہنچانا آپ ﷺ کا فرض منصبی تھا۔ اسی طرح یہ پیغام آج ہمارے پاس ہے اگر ہم اس کو جوں کا توں آگے پہنچائیں (یہ نہیں کہ آدھا چھپالیں) تو یہ تواصی بالحق ہے۔ جیسا صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے سیکھا اور آگے پہنچایا۔

4۔ چوتھی شرط: تواصی بالصبر

عمل صالح اور تواصی بالحق کا راستہ مشکل راستہ ہے۔ اپنے بھائی کو بتانا، برادری کو بتانا، حکمرانوں کو بتانا مشکل ہے؛ اسی لیے فرمایا اس راستے میں مشکلات آئیں گی۔ کبھی ایسا ہوگا کہ آپ بات کہیں گے تو لوگ WELCOME کریں گے لیکن کبھی کبھی ایسا ہوگا کہ لوگ نہیں سنیں گے۔ کبھی کبھی ایسا ہوگا آپ کو ناپسند کریں گے۔ آپ ﷺ کے ساتھ یہ سارے معاملات پیش آئے ہیں آپ ﷺ سے بہتر کوئی معلم نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ نے بہت اعلیٰ سطح پر کام کیا جیسا کرنے کا حق تھا مگر مخالفتیں ہوئیں۔ ہمارا راستہ بھی روکا جاسکتا ہے رکاوٹیں آسکتی ہیں، نہ آئیں تو کوئی بات نہیں مگر اصولی بات یہ ہے کہ اس کام میں مشکلات آتی ہیں۔ قرآن مجید کے دوسرے پارے میں ارشاد ہے، جس میں ہجرت کرکے آنے والے مسلمانوں کو آگاہ کردیا ہے کہ غلط فہمی میں نہ رہنا کہ ہم ہجرت کر کے اللہ پر احسان کر کے آئے ہیں بلکہ عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔ فرمایا:
﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ﴾ جانیں جائیں گی توقعات ختم ہوں گی اور مشکلات آئیں گی اور اس آیت سے پہلے فرمایا: ﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ O﴾ ''جو اللہ کے راستے میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہے مگر تم جان نہیں سکتے۔'' یہاں کوئی موت ہوجائے تیسرے دن ساتویں دن اکٹھ ہوتا ہے اور لوگ چیزیں پیش کرتے ہیں کہ متوفی کو یہ چیزیں پسند تھیں پتا نہیں وہاں مل رہی ہیں کہ نہیں۔ اللہ کہہ رہا ہے کہ اگر وہ نیک آدمی ہے تو وہ ایسی دائمی زندگی میں ہے جس کا آپ تصور بھی نہیں کرسکتے لیکن اس کے ساتھ برداشت کرنا ہوگا صبر کرنا ہوگا۔ بات آسان نہیں ہے۔

حرفِ آخر

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں توفیق دے کہ ہم ایک دائمی زندگی حاصل کرنے کا فیصلہ کریں۔اس کے ضمن میں ایمان درکار ہے، عمل صالح درکار ہے، قربانی درکار ہے۔ ہر آدمی کے ایمان کا جو درجہ ہے اس سے اسی طرح کا عمل صالح درکار ہے۔مثلاً دیہاتی آدمی جو شہر نہ آتا ہو پھر بھی دائمی زندگی کی خواہش اس کا حق ہے۔اس سے تھوڑا ایمان اور تھوڑا عمل درکار ہے اس سے تواصی بالحق اور بالصبر بھی تھوڑا درکار ہوگا۔دوسری طرف ملک کا وزیر اعظم یا صدر یا کوئی باحیثیت شخص ہوسکتا ہے اس کا ایمان بہت اعلیٰ ہونا چاہیے اور عمل صالح بھی اتنا ہی بلند ہونا چاہئے۔ایمان بڑا ہے تو عمل صالح بھی بڑا اور تواصی بالحق بھی بڑا اور صبر بھی بڑا درکار ہے۔اور چاروں چیزیں ضروری ہیں لازمی ہیں شاعری میں ایسا ہوتا ہے شعر میں کئی الفاظ صرف وزن پورا کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔اچھے شاعروں کے شعروں میں فضول اور زائد الفاظ کم ہوتے ہیں۔غالب کو اس بات پر مان تھا کہ جو لفظ میرے شعر میں آئے اسے عام نہ سمجھو۔لیکن قرآن مجید جو اللہ کا کلام ہے اس کا ہر لفظ 101 فی صد ضروری تھا تو اللہ نے استعمال کیا۔لہٰذا اللہ نے اگر آخرت کی کامیابی کی چار شرائط بتائی ہیں تو وہ پونے چار نہیں ہوسکتی۔چار ہی ضروری ہیں دو نہیں ہوسکتیں۔آج ہمارا مزاج یہ ہے کہ ہم عام مسلمان تواصی بالحق اور تواصی بالصبر تو دور کی بات ہے نماز روزہ بھی نہیں کرتے صرف ایمان بلکہ صرف زبانی کلمہ پڑھ کر سمجھتے ہیں کہ نجات حاصل ہوگئی۔ہم آدھی شرط کو لے کر بیٹھے ہیں۔کوتاہی تو ہوسکتی مگر انسان چار شرطوں کو آدھا کر دے تو یہ ذاتی فیصلہ ہے اللہ کہ طرف سے گارنٹی نہیں ہے۔اسی کو مثال سے سمجھئے۔ڈاکٹر کا نسخہ سامنے رکھئے اصل دوا ایک ہوتی ہے باقی دوائیں اس کے SIDE-EFFECT ختم کرنے کے لئے ہوتی ہے۔اگر کوئی انسان زیادہ عقل مند بنے اور کہے کہ میں صرف ایک گولی استعمال کروں گا تو کیا شفا ہوجائے گی؟ اسی طرح حکیموں کے نسخے ہیں۔ ایک چیز 10 گرام ہو اور دوسری 500 گرام اور آپ تو گھر آکر 10 گرام والی کو 500 گرام اور 500 گرام والی کو 10 گرام کردیں تو وہ نسخۂ شفا نہیں ہو بلکہ وہ نسخۂ ہلاکت ہوگا۔ اسی طرح جو شرائط اللہ کی بتائی ہوئی ہیں اگر انسان ان میں کمی کر دے۔عمل صالح صفر کر دے، دوسرے کام بہت اونچے بھی ہوں تب بھی خسارے سے بچاؤ نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ کہ یہ سورۃ العصر ہے جس میں اللہ نے ہمیں ایسے راستے کی نشان دہی کی ہے کہ جس سے انسان کی ایک دبی ہوئی خواہش کہ میں ہمیشہ ہمیشہ کی سہولیات والی زندگی حاصل کرلوں، پوری ہوسکتی ہے۔اس دنیا میں رہتے ہوئے ہزار میں سے ایک آدمی بھی یہ خواہش پوری نہیں کرسکتا اور آخرت میں ایک غریب سے غریب آدمی بھی اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے تو اس کو دائمی زندگی مل جائے گی۔اللہ نے اس کے لیے چار شرائط بتائی ہیں:

وَالْعَصْرِ O اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ O اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَا صَوْا بِالصَّبْرِ O

زمانہ گواہ ہے کہ بے شک تمام انسان خسارے میں ہیں۔(ان سے ہر چیز چھن جانے والی ہے) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اس کے شایان شان عمل کیے اور اسی کی پرچار اور تبلیغ کی اور اس راستے کی مشکلات پر صبر کیا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ مجھے بھی اور آپ کو بھی ان باتوں کی سمجھ اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ دائمی زندگی جس کی ہم خواہش رکھتے ہیں جنت میں ہمیں عطا فرمادے۔آمین۔

طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے

ابو فیصل محمد منظور انور

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے سراپا ہدایت ہے اور (اس میں) ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی نشانیاں ہیں پس تم میں سے جو کوئی اس کو پائے تو وہ ضرور اس کے روزے رکھے‘‘۔

اللہ تعالیٰ کے واضح احکامات اور قرآنی تعلیمات ہماری دنیاوی اور اُخروی فلاح کا ذریعہ ہیں لیکن ماہِ مقدس رمضان میں بھی مجموعی طور پر ہم ان سے رُوگردانی کر رہے ہیں اور ماہِ صیام کا حق ادا نہیں کر رہے۔ حالانکہ رمضان المبارک ہر سال ہمیں اپنے احتساب اور اصلاح کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم اس ماہِ مبارکہ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہونے اور اپنی اصلاح کی بجائے اُلٹا بگاڑ کی طرف بگٹٹ دوڑے جا رہے ہیں۔ ماہ مبارک سے جو درس ہمیں ملتا ہے ہم اس سے کوسوں دور کھڑے نظر آتے ہیں۔ معاشی سطح پر مہنگائی کا جن بوتل سے باہر نکل چکا ہے جسے کنٹرول کرنے کے لیے حکومت کے دعوؤں اور لاکھوں روپوں کے اشتہارات کے باوجود اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عام حالات کے مقابلے میں رمضان المبارک میں اشیائے خورد ونوش اور اشیائے صرف کی قیمتیں انتہائی حد تک بڑھا دی گئی ہیں۔ اس مقدس مہینے اور عید الفطر کے اسلامی تہوار کو کمائی کا سیزن بنا دیا گیا ہے۔ عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے جانے والوں کو بھی نہ صرف حکومتوں نے بلکہ تاجروں نے کمائی کا ذریعہ بنا لیا ہے ہوائی جہازوں کے ٹکٹ مہنگے اور

غیر علانیہ وغیر ضروری اضافی ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں۔ بسوں کے مالکان ٹرانسپورٹرز، مسافروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھونس کر اوور لوڈنگ کرتے ہیں اور دُگنے کرائے وصول کرتے ہیں اللہ کی پناہ! خاص و عام یہ کیسے مسلمان ہیں جو ناجائز منافع خوری کر کے دوسروں کی جیبیں کاٹ کر اور انھیں اَذِیتیں دے کر ان پر ظلم کر کے خوش ہوتے ہیں۔ ماہِ صیام سے پہلے کی نسبت اشیائے صرف کی قیمتیں آسمان کو چھو جاتی ہیں۔ عاقبت نااندیش، بے عمل مسلمانوں کی یہ روش برسوں سے جاری ہے۔ عوام کی اکثریت ماہِ صیام کی برکتیں، رحمتیں، بخششیں اور مغفرت سمیٹنے کی بجائے جہنم کے دروازے پر دستک دینے کو بے چین نظر آتی ہے۔ ظلم کی انتہا ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کی جانے والی مملکت خداداد پاکستان میں اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے بڑی ڈھٹائی، کمینگی اور دیدہ دلیری کے ساتھ احکام خداوندی کی صریحاً خلاف ورزیاں کرنے کے باوجود جنت الفردوس کے طلب گار بنے بیٹھے ہیں۔ ہمارے ایمان و اسلام کا معیار کیا ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ چند ٹکوں کے عوض گدھے خنزیر اور کتے سمیت دیگر حرام و مردار جانوروں کے گوشت فروخت کئے جانے کے قصے زبان زد خاص عام ہیں، کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ کم تولنے، جعلی ادویات کی تیاری اور فروخت، چوریاں، ڈکیتیاں کرنے اور کمسن بچیوں اور حوا کی معصوم بیٹیوں کو بے آبرو کرنے والے ظالم بھی مسلمان ہی تو کہلاتے ہیں۔

رمضان المبارک ہمیں تحمل، برداشت، بردباری اور ایثار جیسے جذبات کا درس دیتا ہے مگر ہم عملی طور پر ان اوصافِ حمیدہ کو اپنانے اور ماہ صیام کا تقدس قائم کرنے سے دور رہتے ہیں اور وہ سارا کچھ کر گزرتے ہیں جس سے منع فرمایا گیا اور اس طرح رمضان المبارک کی روح کے منافی ہی سب کچھ کیا جارہا ہے۔ شرعی عذر کے بغیر روزہ نہ رکھنے والے بڑے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو دوسری طرف بعض حضرات روزہ تو رکھ لیتے ہیں لیکن اپنے اپنے شعبے میں زیادہ مال کمانے کے چکر میں اپنی عاقبت خراب کر لیتے ہیں روزہ بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے اور کمائی کے سیزن سے بھی لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں البتہ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ عید کے بعد عمرے کی ادائیگی ضروری سمجھتے ہیں اللہ ہم پر رحم کرے جس مسلم معاشرے میں اربوں کھربوں کی لوٹ مار کرنے والی اشرافیہ سمیت میراثی اور کنجر قسم کے لوگوں اور ناچنے گانے والی طوائفوں کو، فلمی ستارے، STAR اور آئیڈل بنا کر پیش کیا جاتا ہو اور انھیں وی آئی پی کا درجہ دے کر پروٹوکول دیا جاتا ہو، ملاحظہ کے لئے پانامہ پیپرز سکینڈلز

بارے اعلیٰ عدلیہ کا فیصلہ، زرداری اینڈ کمپنی کی لوٹ مار، ڈاکٹر عاصم، عزیر بلوچ، شرجیل میمن کی رسم تاج پوشی اور لاکھوں ڈالرز کرنسی سمگلنگ میں ملوث ماڈل ایان علی کے خلاف درج مقدمے اور عدالتی ٹرائل کا ڈرامہ اور پھر بیرون ملک روانگی جبکہ دیگر نامور سیاست دانوں اور سرکاری افسران پر قومی خزانے کو شیر مادر سمجھ کر اربوں لوٹنے اور کرپشن کے سنگین الزامات پر تو ماتم ہی کیا جا سکتا ہے کہ ہم کس قسم کے اسلامی اخلاقی اقدار کے حامل ہیں اور ان پر کتنے عمل پیرا ہیں پورا معاشرہ خاموش تماشائی بنا بیٹھا ہے ایسے بدمعاش و بدکردار عناصر کے خلاف آواز بلند کرنے اور اس کے خلاف احتجاج کی آواز سننے میں نہ آئے تو ایسے مسلم معاشرے پر 'اناللہ وانا الیہ راجعون' ہی پڑھا جائے۔ ایسے شرمناک کام کرنیوالوں کی اکثریت اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتی ہے یہ کس قسم کے مسلمان ہیں؟ جو اشرف المخلوقات کے اعلیٰ درجے پر فائز مخلوق ہیں، شرم تم کو مگر نہیں آتی۔ کاش ایسے عناصر کو اس ماہ مبارکہ میں توبہ تائب ہونے کی توفیق مل جائے کہ ملک وملت کا لوٹا ہوا سرمایہ واپس کر کے اپنی عاقبت سنوار لیں۔

اس ماہِ مقدس میں بھی معاشرے میں بڑھتی ہوئی مصنوعی مہنگائی، برائی، بے حیائی اور عریانی وفحاشی پر سنجیدہ حلقے اور مذہبی طبقہ بھی خاموش تماشائی بنا بیٹھا چین کی بانسری بجا رہا ہے۔ احکاماتِ الٰہی کی مسلسل خلاف ورزیوں کے باعث شاید اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے ناراض ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم پوری دنیا میں ذلیل وخوار ہو رہے ہیں اور دشمنانِ اسلام کے لئے تر نوالہ بن کر رہ گئے ہیں۔ مسلم دنیا میں اسلام دشمن قوتوں امریکہ، روس، اسرائیل، بھارت اور مغربی ممالک کی یلغار کے نتیجے میں وسیع پیمانے پر بم باری، قتل وغارت گری اور تباہی و بربادی ہماری قیادت اور عوام کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھی مگر ایسے ظلم و بربریت کے واقعات بھی ہماری بداعمالیوں کو نہ روک سکے ہیں ہمارے کالے کرتوت پہلے سے بڑھ کر ہنوز جاری ہیں مشرق وسطیٰ میں شام، عراق، فلسطین، یمن، مصر و دیگر مسلم ممالک افغانستان، لیبیا، ٹیونس، کشمیر، روہنگیا میں برسوں سے جاری خانہ جنگی کے بعد اب سعودی عربیہ اور پاکستان سمیت کئی مسلم ممالک میں بھی جنگی صورت حال پیدا ہو چکی ہے اس سنگین صورت حال کے باعث مسلم دنیا کے باسی لاکھوں کی تعداد میں عورتیں بچے بوڑھے مسلمان قتل کر دیے گئے ان کی املاک تباہ کر دی گئی اور آٹھ دس ملین افراد بے یار و مددگار ہو کر یورپ اور دیگر ممالک کی طرف ہجرت کر رہے ہیں وہ اپنے ہی مسلم ممالک کے بادشاہوں کی باہمی اقتدار کی رسہ کشی پر نوحہ کناں ہیں جن کی ہوس اقتدار کی وجہ سے وہ اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور

ہوئے ہیں اور دیار غیر میں پناہ کے لئے در بدر پھر رہے ہیں۔ اغیار کی سازشوں کے باعث ہمارے باہمی اختلافات کی خلیج اتنی وسیع اور گہری ہو چکی ہے کہ ہم اپنے ہی مسلمانوں بھائیوں کے خون کے پیاسے بن گئے ہیں۔ قرب قیامت کی علامت ہے کہ نہ مارنے والے کو پتہ کہ وہ کیوں قتل عمد کا مرتکب ہوا ہے اور نہ مرنے والے کو پتہ کہ وہ کس جرم میں مارا گیا ہے۔ اپنے گریبان میں جھانکیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ مسلم دنیا میں احکام خداوندی کی صریحاً خلاف ورزی اور غیر مسلموں گمراہ قوموں جیسی شرک سے آراستہ گناہ آلودہ زندگیاں گزارنا اب معمول بن چکا ہے دنیا بھر کے مسلم ممالک میں کونسا اسلامی ملک ہے جہاں اسلامی نظام نافذ ہے کیا تمام فیصلے اس قادر مطلق کی آخری کتاب قرآن مجید فرقان حمید کے احکامات کے مطابق ہو رہے ہیں؟ ہمیں ان مبارک گھڑیوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے طور طریقے بدلنے چاہئیں۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود

یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ماہ صیام میں تلاوت قرآن مجید کو معمول بنائیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے کاموں سے دور رہیں غیبت، جھوٹ اور چغل خوری سے بچیں زیادہ سے زیادہ صدقہ خیرات کریں دینی کتابوں کا مطالعہ کریں، فرائض کے ساتھ ساتھ سنتوں اور نوافل کا بھی اہتمام کریں اور اس ماہ مبارکہ میں اپنی اصلاح کے لئے حتی المقدور کوششیں کریں تاکہ جہنم کی پر خار وادی سے دور رہ سکیں اور ابدی زندگی کی لذتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ رمضان المبارک میں دعائیں قبول ہوتی ہیں ہمیں پورے اخلاص کے ساتھ دعائیں مانگنی چاہئیں۔

دنیائے اسلام میں نماز تراویح کے بڑے بڑے اجتماعات ہو رہے ہیں اسلام دشمن طاقتوں کو ہماری اجتماعیت سے ہمارے باہمی اتفاق و اتحاد کا پیغام ایک فطری امر ہوگا ماہ مبارکہ ہمیں موقع دیتا ہے کہ اپنی پوری پوری اصلاح کا عہد کریں اور اپنی روش بدلیں پوری امت مسلمہ کو اس موقع پر کثرت سے اجتماعی دعائے استغفار کی ضرورت ہے پورے عالم اسلام میں جہاں بھی اجتماعات منعقد کئے جائیں اور اپنی غلطیوں لغزشوں اور گناہوں کی معافی مانگیں اور استغفار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ کو درپیش مسائل اور اغیار کی غلامی سے نجات دلائے، آمین۔

شجرۂ مبارکہ

سیرت امام المرسلین ﷺ

ساجد محمود مسلم

نبی اکرم ﷺ اپنے حسب ونسب اور محامد ومحاسن میں تمام انسانوں سے اعلیٰ واَولیٰ، افضل واکمل اور انور واطہر ہیں۔ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن (بھی) میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا''۔(1)

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میں اولین و آخرین (تمام انسانوں) سے معزز ومکرم ہوں اور اس پر مجھے کوئی غرور نہیں ہے''۔(2)

سیّدنا واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل نے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کو چن لیا، پھر سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا، پھر بنو کنانہ میں سے قریش کو چن لیا، پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو چن لیا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔''(3)

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے اور ان میں سے سب سے اوپر والے آسمان کو اپنے لئے پسند فرمایا جب کہ سب آسمانوں میں اپنی جس مخلوق کو چاہا بسا دیا، پھر سات زمینیں پیدا کیں، اس میں سے سب سے اوپر والی زمین کو منتخب فرمایا اور اس میں اپنی جس مخلوق کو چاہا بسا دیا۔ پھر اس نے اور مخلوق پیدا کی اور اس میں سے بنی آدم کو چن لیا اور بنی آدم میں سے عربوں کو منتخب فرمایا۔ عربوں میں سے قبیلہ مُضر کو

چن لیا، پھر مُضَر میں سے قبیلہ قریش کو منتخب فرمالیا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔ پس میں بہترین لوگوں سے بہترین لوگوں میں منتقل ہوتا رہا ہوں، جس نے عربوں سے محبت کی اس نے میری محبت کی خاطر ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا''۔(4)

نبی اکرم ﷺ نجیب الطرفین ہیں، یعنی آپ کے آباؤ اجداد میں سے کوئی ایسا شخص نہیں گزرا، جس کی ولادت کا سبب نکاحِ صحیح کی بجائے کوئی دوسرا تعلق ہو۔

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں زمانۂ جاہلیت کے کسی بدکاری والے طریق سے پیدا نہیں ہوا، بلکہ میں اسلامی طرزِ نکاح سے پیدا ہوا ہوں''(5)

سیّدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نکاحِ صحیح کے ذریعے پیدا ہوا ہوں ناں کہ بدکاری کے ذریعے، آدم علیہ السلام سے لے کر میرے ماں باپ کے میرے جننے تک، میرے نسب میں جاہلیت کے بدکاری کے طریقے کا کوئی شائبہ تک نہیں''(6)

سیّدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اللہ کے نزدیک تمام مخلوقات سے زیادہ معزز ومکرّم ابوالقاسم محمد عربی ﷺ ہیں''۔(7)

اِسنادی قوت وصحت کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے اطہر واقدس شجرۂ نسب کے تین حصے ہیں: پہلا حصہ متواتر ومتفق علیہ ہے، جو کہ رسول اللہ ﷺ سے عدنان تک پہنچتا ہے۔ اس حصہ میں ماہرینِ انساب (Genealogists) کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔(8)

متواتر ومجمع علیہ نسب شریف یہ ہے:

مـحـمـد بـن عبـد الله بن عبدالمُطّلِب بن هاشِم بن عَبدِ مَناف بن قُـصَـى بـن كِـلاب بن مُرَّه بن كعب بن لُؤى بن غالِب بن فِهر بن مـالِك بـن نَـضُر بن كِنانه بن خُزَيمه بن مُدرِكه بن اِلياس بن مُضَر بن نِزار بن مَعَدّ بن عَدنان (9)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۴۔۲۴۱ ھ) نے اپنے استاذِ مکرم امام محمد بن ادریس الہاشمی القرشی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰۔۲۰۴ ھ) سے یہ متواتر شجرۂ نسب یونہی بیان کیا ہے۔(10)

متقدمین ومتأخرین کی تمام کتبِ سیرت وتاریخ میں امام المرسلین محمد عربی ﷺ کا نسب شریف ایسے ہی بیان کیا گیا ہے، عربوں کے انساب کے موضوع پر جتنی کتب راقم الحروف کی نظر سے گزری ہیں، ان سب میں یہی نسب شریف منقول ہے۔اس ضمن میں کتبِ انساب (Genealogy) کی شہادت خاص اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ وہ خالصتاً اسی موضوع پر بحث کرتی ہیں۔اس موضوع پر لکھی گئی کتب جوراقم الحروف کی نظر سے گزری ہیں ان میں نَسَبِ قُرَیْش (ابوعبداللہ مصعب بن عبداللہ الزبیریؒ، م۲۳۶ھ)، جَمْهَرَةُ نَسبِ قُرَیْش وَاَخبارُها (زبیر بن بکّارؒ۔م۲۵۶ھ)، اَلْمَعَارِف (ابومحمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہؒ م۲۷۶ھ)، اَنْسَابُ الْاَشْرَاف (احمد بن یحییٰ البلاذُریؒ،م۲۷۹ھ)، نَسَبِ عَدْنَان وَ قَحْطَان (المبرد، م۲۸۵ھ)، جَمْهَرَةُ اَنسَابُ الْعَرَب (ابومحمد علی بن احمد ابن حزم الاندلسیؒ، متوفی ۴۵۶ھ)، اَلْاَنْسَاب (ابوسعد السمعانیؒ)، عُجَالَةُ الْمُبْتَدِیْ وَ فُضَالَةُ الْمُنْتَهِی فِی النَّسَب (الحازمیؒ، م۵۸۳ھ)، نِهَایَةُ الْاَرَب فِی مَعْرِفَةِ اَنْسَابِ الْعَرَب (ابوالعباس القلشقندیؒ)، اَللُّبَاب فِی تَهْذِیْبِ الَانْسَاب (عزّ الدین علی بن محمد ابن الاثیرؒ م۶۵۵ھ) شامل ہیں، ان سب کتب میں نہ صرف امام المرسلین محمد عربی ﷺ کا نسب شریف مذکور ہے بلکہ آپ کے قبیلہ قریش کا نسب مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ قبیلہ قریش کے سبھی لوگوں کا نسب فہر بن مالک میں جمع ہوجاتا ہے، نیز حجاز میں بسنے والے تمام عرب قبائل کا نسب نضر بن کنانہ میں جمع ہوجاتا ہےاور حجاز سے باہر مگرقرب وجوار میں بسنے والے قبائل کا نسب عدنان میں جمع ہوجاتا ہے۔

بعض مرفوع احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود اپنا اور اپنے قبیلہ کا نسب بیان فرمایا ہے:

سیّدنا اشعث بن قیس الکِندی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں وفدِ بنو کِندہ کے ہمراہ آیا اور وہ (اہلِ وفد) مجھے اپنے سے سب سے افضل نہیں جانتے تھے، پھر بھی میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارا یہ گمان ہے کہ آپ ہم (بنو کِندہ) میں سے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: ہم تو نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں۔(11)

سیّدنا انس بن مالک اور سیّدنا حارث بن ہشام رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ تک یہ بات پہنچی کہ بنو کِندہ کے مردوں کا کہنا ہے کہ وہ (نبی ﷺ) ان کے قبیلہ میں سے ہیں، تب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بات تو عباس بن عبدالمطلب اور ابوسفیان بن حرب (رضی اللہ عنہم) کہا کرتے تھے تا کہ انہیں مدینہ میں داخلے کے وقت امان مل سکے، ہم اپنے آباء واجداد کی نفی نہیں کرتے، ہم تو بنونضر بن کنانہ میں سے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا: میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمُطّلِب بن ہاشم بن عَبدِ مَناف بن قُصَی بن کِلاب بن مُرَّہ بن کعب بن لُوَی بن غالِب بن فِہر بن مالِک بن نَضر بن کِنانہ بن خُزَیمہ بن مُدرِکہ بن اِلیاس بن مُضَر بن نِزار ہوں۔(12)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبِ اطہر کا دوسرا حصہ عدنان سے سیّدنا اسماعیل علیہ السلام تک ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آلِ اسماعیلؑ میں سے ہونا ماہرینِ انساب کے ہاں مجمع علیہ ہے، ان میں سے کسی بھی معتبر نُسّاب (Genealogist) نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آپ آلِ اسماعیلؑ میں سے نہیں ہیں۔ (13) زمانۂ جاہلیت کا عربی ادب ہو یا احادیثِ مبارکہ، تاریخی روایات ہوں یا دوسرا اسلامی ادب، غرض تمام ذرائع علم سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ آلِ اسماعیلؑ میں سے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آلِ اسماعیلؑ میں سے ہونے کا انکار اتنا ہی غلط ہے جتنا یہ کہنا کہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے، کیونکہ یہ کسی ایک تاریخی روایت کا انکار نہیں بلکہ مسلمات اور اخبارِ متواترہ کا انکار ہے۔ ظاہر ہے اخبارِ متواترہ کا انکار کوئی احمق ہی کر سکتا ہے، کسی دانشمند سے ایسی بے ہودگی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ آلِ اسماعیلؑ میں سے ہونا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی موقوف نہیں، بلکہ آپ کے زمانہ کے عربوں کی بہت بڑی اکثریت آلِ اسماعیلؑ میں سے تھی۔ بعض ماہرینِ انساب نے تو یہاں تک کہا ہے کہ بنوقحطان سمیت تمام عرب آلِ اسماعیلؑ میں سے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سیّدنا اسماعیل علیہ السلام کو ابوالعرب کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔(14)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبِ اطہر کا دوسرا حصہ جو عدنان سے سیّدنا اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے، ماہرینِ انساب اس حصۂ نسب کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ اس حصہ میں چار سے چالیس تک پشتیں روایت کی گئی ہیں۔ امام ابوحاتم محمد بن حِبّان البُستیؒ (۲۷۰۔۳۵۴ھ) نے اس بارے میں ماہرین انساب کے متعدد اقوال بیان کیے ہیں۔(15) امام احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ نے بھی یہ مختلف اقوال فتح الباری میں جمع کئے ہیں۔(16)

تاہم جمہور محدثین و مؤرخین نے امام محمد بن اسحاقؒ کے قول پر اعتماد کیا ہے، جن میں

امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ (۱۹۴۔۲۵۶ھ)، امام محمد بن احمد الذہبیؒ (۶۷۳۔۷۴۸ھ) اور امام احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) جیسے محققین و نقاد شامل ہیں۔(17)

امام محمد بن اسحاقؒ کی روایت کے مطابق عدنان سے سیّدنا اسماعیل علیہ السلام تک شجرۂ نسب یوں ہے:

عـدنـان بـن اَدَد بـن مُقَوِّم بن ناحُور بن تارح (تيرح) بن يَعرُب بن يَشجب بن نابِت بن اسماعيل بن ابراهيم علیہما السلام (18)

رسول اللہ ﷺ کے نسب شریف کا تیسرا حصہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے سیّدنا آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے، یہ حصہ نہایت مخدوش اور متنازعہ ہے۔مؤرخین کے ہاں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا سب سے زیادہ مشہور وہ نسب نامہ ہے جو امام محمد بن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے، وہ یوں ہے:

ابراهيم بن تارح (آذر) بن ناحور بن ساروغ بن راعو بن فالخ بن عيبر بـن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح بن لمك بن متوشلخ بن اخنوخ (ادريس) بن يرد بن مهليل بن قينن بن يانش بن شيث بن آدم علیہ السلام (19)

امام محمد بن اسحاقؒ سے منسوب ایک دوسری روایت میں عیبر کی بجائے عابر، مہلیل کی جگہ مہلائیل، قینن کی بجائے قینان اور یانش کی جگہ انوش مذکور ہے۔(20)

اسی طرح بعض دوسری روایات میں دوسرے ناموں کے تلفظ میں فرق ہے، جیسے تارح کے بدل تارخ، فالخ کی بجائے فلاح، لمک کی بجائے لامک اور قینن کی بجائے قنعان یا کنعان بھی وارد ہوا ہے۔(21)

بائبل کے حصہ عہد نامہ قدیم (Old Teastament) جسے یہودی تورات (Torah) بھی کہتے ہیں، کی پہلی کتاب یعنی سفرِ تکوین (Book of Genesis) کے ابتدائی گیارہ ابواب میں سیّدنا آدم علیہ السلام سے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام تک پیدا ہونے والی نسلوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، عہد نامہ قدیم اور مذکورہ بالا تاریخی روایات میں نسبِ ابراہیمی کی پشتوں اور ناموں میں کامل مماثلت ہے، فرق صرف زبان اور لہجے کا ہے۔جب عبرانی سے یونانی اور عربی میں یہ نام منتقل ہوئے تو لہجوں کے فرق کی وجہ سے بعض ناموں میں ایک یا دو حروف کا فرق پڑ گیا، جب کہ کئی ناموں کا تو لہجہ بھی یکساں ہے۔تقابل کے لئے بائبل (کتابِ تخلیق: باب۲ تا۱۱) ملاحظہ کیجئے۔(22) یہ کامل

مماثلت ثابت کرتی ہے کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے شجرۂ نسب سے متعلق مذکورہ روایات اصلاً بنی اسرائیل سے مأخوذ ہیں، جیسا کہ امام ابوالفدا اسماعیل بن کثیرؒ نے صراحت کی ہے۔(23)

ان اسرائیلی روایات میں حق و باطل کا التباس ایک یقینی امر ہے، ہمارے اس جزم ویقین کے اسباب درج ذیل ہیں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ لَا یَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ (ابراہیم:۹)

''کیا تمہیں ان لوگوں کے حالات نہیں پہنچے جو تم سے پہلے تھے، جیسے نوحؑ، عاد اور ثمود کی قومیں اور ان کے بعد آنے والوں کے حالات، جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے۔''

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے: کَذَبَ النَّسَّابُوۡنَ یعنی نُسّاب غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔(24) سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اشارہ اس طرف ہے کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے سیّدنا آدم علیہ السلام تک شجرۂ نسب محفوظ نہیں۔ اس رائے کی ایک ٹھوس شہادت درج ذیل ہے:

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیّدنا آدم اور سیّدنا نوح علیہما السلام کے مابین دس قرون (نسلیں) گزری ہیں جب کہ وہ سب دینِ حق (اسلام) پر تھے۔(25)

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ الحنبلیؒ کے مطابق یہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا صحیح و ثابت قول ہے۔(26)

عہد نامہ قدیم کے مطابق سیّدنا آدم اور سیّدنا نوح علیہما السلام کے مابین آٹھ نسلیں تھیں، جبکہ اثرِ صحیح سے ثابت ہو چکا ہے کہ ان کے مابین نسلوں کی تعداد دس تھی۔

امام ابوالفدا اسماعیل بن کثیر الشافعی رحمۃ اللہ علیہ سفرِ تکوین (کتاب پیدائش) سے انساب وتواریخ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

و فی کون هذه التواریخ محفوظة فیما نزل من السماءِ نظر، کما ذکره غیر واحد من العلماء طاعنین علیهم فی ذالك، والظاهر انها مقحمة

فيها۔ ذكرها بعضهم على سبيل الزيادة والتفسير، و فيها غلط كثير (27)

’’ان تواریخ کا منزّل من اللہ ہونامحلِّ نظر ہے،جیسا کہ ان (اہلِ کتاب) پراس ضمن
میں طعن کرنے والے بہت سے علماء نے بیان کیا ہے۔ بلکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ
تواریخ ان کتب میں زبردستی داخل کی گئی ہیں۔ان (اہلِ کتاب) نے اضافے یا
’’ان تواریخ کا منزّل من اللہ ہونامحلِّ نظر ہے،جیسا کہ ان (اہلِ کتاب) پراس ضمن
میں طعن کرنے والے بہت سے علماء نے بیان کیا ہے۔ بلکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ
تواریخ ان کتب میں زبردستی داخل کی گئی ہیں۔ان (اہلِ کتاب) نے اضافے یاتفسیر
کے طور پران کا تذکرہ کیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ان میں بہت زیادہ غلطیاں ہیں۔‘‘

چنانچہ علامہ حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہاروی ؒ مذعومہ تورات سے سیّدنا نوح علیہ السلام کا نسب نامہ تحریر کرنے کے بعدارقام پذیر ہیں: ’’اگرچہ مؤرخین اورتورات (سِفرِ تکوین) نے اسی کوصحیح مانا ہے لیکن ہم کواس کی صحت میں شک اورترڈد ہے، بلکہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حضرتِ آدم علیہ السلام اورحضرتِ نوح علیہ السلام کے درمیان ان بیان کردہ سلسلوں سے زیادہ سلسلے ہیں۔‘‘ (28)

معاملہ صرف نسلوں (پشتوں) کی تعداد کانہیں بلکہ نسب نامہ میں مذکورناموں کا بھی ہے،قرآن حکیم میں صراحت ہے کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا(سورۃ الانعام:۷۴) جبکہ اسرائیلی روایات کے مطابق اس کا نام تارح یا تارخ تھا۔اگرچہ مؤرخین نے اس کی مختلف تاویلات کی ہیں،مگران میں سے کوئی بھی قابلِ اطمینان نہیں ہے،مؤرخین کی یہ تاویلات بیان کرنے کے بعدعلامہ حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہاروی ؒفرماتے ہیں: ’’ہمارے نزدیک یہ تمام تکلّفاتِ باردہ ہیں، اس لئے کہ قرآنِ عزیز نے جب صراحت کے ساتھ آزرکو ابِ ابراہیم (ابراہیم کا باپ) کہا ہے تو پھرمحض علماءِ انساب اور بائبل کے تخمینی قیاسات سے متأثر ہوکرقرآنِ عزیز کی یقینی تعبیر کومجاز کہنے یااس سے بھی بڑھ کرخواہ مخواہ قرآن عزیز میں نحوی مقدرات ماننے پرکون سی شرعی اورحقیقی ضرورت مجبورکرتی ہے؟‘‘ (29)

جب بائبل میں سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ہی غلط بیان کیا گیا ہے،تو ایسے میں باقی اجداد کے ناموں کی صحت بھی مشکوک ہوجاتی ہے۔خصوصیت کے ساتھ ان ناموں کا عجمی ہونا،

جو قرآن و حدیث میں مذکور نہیں، ان کے فرضی و قیاسی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ہماری تحقیق کے مطابق سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے آباؤ اجداد خالصتاً عربی بولنے والے تھے۔ جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے اجداد کے بارے میں سب سے معتبر روایت ابوعبداللہ مصعب بن عبداللہ الزبیریؒ من آل زبیر بن العوامؓ (م ۲۳۳ھ) کی معروف کتاب نسب قریش میں بیان کیا گیا ہے، جو آباء ابراہیمی کے نہ صرف اصل عربی نام ذکر کرتا ہے بلکہ اس میں نسلوں کی تعداد بھی اقرب الی القیاس ہے۔ ابوعبداللہ الزبیریؒ نے دعویٰ کیا ہے کہ عرب ماہرین انساب کا اس نسب نامہ پر اجماع ہے۔ اس روایت کے مطابق سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کا شجرہ مبارکہ درج ذیل ہے:

سیدنا ابراهيم علیہ السلام بن آزر بن التاجر بن الشاجع بن الراعى بن القاسم بن يعبر بن السائح بن الرافد بن السائم (سام) بن نوح بن ملكان بن مثوب بن ادريس بن الرائد بن مهليل بن قنّان بن الطاهر بن هبة الله بن شيث بن آدم (30)

اس نسب نامہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ خالص عرب روایات پر مبنی ہے، جس میں اسرائیلی روایات کی دراندازی کا کوئی شائبہ نہیں کیونکہ اسرائیلی روایات اور اس روایت کے اسماء کا فرق صاف واضح ہے۔

غرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ مبارکہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی برکات کا ثمرہ ہے۔ عصرِ حاضر میں بعض متعصب مستشرقین آپ کے آل ابراہیم میں سے ہونے کا انکار کرتے ہیں، مگر ان کا انکار نصف النہار میں سورج کے وجود سے انکار کے مترادف ہے۔

حواشی

(1) مسند امام احمد: ۹۶۲۱، صحیح البخاری: ۳۳۴۰، صحیح المسلم: ۱۹۴، صحیح ابن حبان: ۶۴۶۵، ۷۳۸۹۔ (2) جامع الترمذی: ۳۶۱۶۔ (3) مسند امام احمد: ۱۷۱۱۱، ۱۷۱۱۲، صحیح المسلم: ۲۲۷۶۔ (4) ابونعیم الاصبهانیؒ، دلائل النبوۃ، صفحہ ۵۸۔۵۹، ابوبکر احمد بن حسین البیهقیؒ، دلائل النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۷۱۔۱۷۲۔ (5) ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ، المعجم الکبیر: ۱۰۸۱۲۔ (6) ابونعیم الاصبهانیؒ، دلائل النبوۃ، صفحہ ۵۷، ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ، المعجم الاوسط، ح، مستدرک الحاکم۔ (7) ابوبکر احمد بن حسین البیهقیؒ، دلائل النبوۃ، جلد ۵، صفحہ ۴۸۵۔ (8) ابوحاتم محمد بن حبان البُستیؒ، السیرۃ النبویۃ واخبار الخلفاء، صفحہ ۲۳۔ ابومحمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہؒ، المعارف، صفحہ ۱۱۷۔ احمد بن علی ابن حجر العسقلانیؒ، فتح الباری، جلد ۶، صفحہ ۶۵۵۔ محمد بن احمد الذہبیؒ، تاریخ الاسلام، جلد ۲، صفحہ ۱۷۔ ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر ابن قیم الجوزیہ الحنبلیؒ، زاد المعاد، جلد ۱، صفحہ ۲۶۔ (9) ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ، الجامع الصحیح، جلد ۳،

صفحہ۵۴، کتاب المناقب، باب مبعث النبی۔(10) ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ، دلائل النبوۃ، جلد۱، صفحہ۱۸۱۔۱۸۲
(11) مسند امام احمد:۲۲۱۸۲، ۲۲۱۸۹، سنن ابن ماجہ:۲۶۱۲۔ محمد بن سعدؒ، الطبقات الکبریٰ، جلد ۱، صفحہ۲۳
(12) محمد بن سعدؒ، الطبقات الکبریٰ، جلد۱، صفحہ۲۳۔ ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ، دلائل النبوۃ، جلد۱، صفحہ۱۷۴
(13) محمد بن یوسف الصالحی الشامیؒ، سبل الھدیٰ والرشاد، جلد۱، صفحہ۲۸۰۔ (14) ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلیؒ، الروض الانف مع السیرۃ ابن ہشام، جلد۱، صفحہ۴۴۔۴۶۔(15) ابوحاتم محمد بن حبان البُستیؒ، السیرۃ النبویۃ و اخبار الخلفاء، صفحہ۲۳۔۲۴۔(16) احمد بن علی ابن حجر العسقلانیؒ، فتح الباری، جلد ۶، صفحہ ۶۵۵۔ (17) ابومحمد عبدالملک بن ہشام الحمیریؒ، السیرۃ النبویۃ، جلد۱، صفحہ۱۷۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ، التاریخ الکبیر، جلد۱، صفحہ۱۔ محمد بن احمد الذہبیؒ، تاریخ الاسلام، جلد۲، صفحہ۱۹۔ احمد بن علی ابن حجر العسقلانیؒ، فتح الباری، جلد ۶، صفحہ۶۶۷۔۶۶۸۔۔(18) ایضاً۔(19) ایضاً۔(20) ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ، دلائل النبوۃ، جلد۱، صفحہ۱۸۰
(21) ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ، التاریخ الکبیر، جلد۱، صفحہ۱۔ ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ، دلائل النبوۃ، جلد۱، صفحہ۱۸۰۔ احمد بن علی ابن حجر العسقلانیؒ، البدایۃ والنھایۃ، جلد۱، صفحہ۲۳۷۔(22)www.bible.com
(23) ابوالفداؒ اسماعیل بن کثیرؒ، قصص الانبیاء، جلد۱، صفحہ۸۱۔(24) عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم الرازیؒ، تفسیر القرآن العظیم، رقم الحدیث:۱۲۲۱۹۔ محمد بن جریر الطبریؒ، جامع البیان فی تاویل آی ءالقرآن، جلد ۱۳، صفحہ۶۰۴۔ ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلیؒ، الروض الانف، جلد۱، صفحہ۳۲۔ (25) محمد بن جریر الطبریؒ، جامع البیان فی تاویل آی ءالقرآن، جلد۳، صفحہ۶۲۱۔ عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم الرازیؒ، تفسیر القرآن العظیم، رقم الحدیث:۱۹۸۳، ۱۹۸۹۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد۱، صفحہ۴۲۔ (26) تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ الحنبلیؒ، منہاج السنۃ النبویۃ، جلد ۵، صفحہ۱۳۳۔ (27) ابوالفداؒ اسماعیل بن کثیرؒ، البدایۃ والنہایہ۔(28) حفظ الرحمٰن صدیقی سیوہارویؒ، قصص القرآن، جلد۱، صفحہ۶۳۔ (29) ایضاً، جلد۱، صفحہ۱۵۳
(30) ابوعبداللہ مصعب بن عبداللہ الزبیریؒ، نسب قریش، ص۴۔

سیرۃ النبی ﷺ کے اس مبارک سلسلہ بعنوان ''سیرۃ امام المرسلین ﷺ'' پر جناب رضی الدین سیّد کے اشکالات کا جواب جناب ساجد محمود مسلم نے انھیں ارسال کر دیا ہے۔ اگلی اشاعت میں ان شاءاللہ دونوں تحریروں کو شائع کر دیں گے۔ (ادارہ)

(بقیہ حواشی از میلاد الرسول ﷺ، حکمت بالغہ مئی 2017ء)

(25) تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ الحنبلیؒ، مجموع فتاویٰ، جلد۴، صفحہ۳۲۹۔(26) مسند امام احمد:۲۵۷۰۹، صحیح المسلم:۲۹۹۶، صحیح ابن حبان:۶۱۵۵۔ (27) سیّد محمود آلوسی الحنفیؒ، روح المعانی، جزء ۶، صفحہ۹۷۔ (28) ابو عبداللہ ابن بطہ الحنبلیؒ، الشرح والابانہ، صفحہ۱۵۹، ابویعلیٰ الحنبلیؒ، وکتاب الاعتقاد، صفحہ۲۱۔(29) علامہ انور شاہ کشمیریؒ اس شعر میں فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس اکیلی تھی اور اس کے سوا عالم میں کچھ بھی نہ تھا، تب

عالمِ نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے منور ہوا''۔ (30) سیّد محمود آلوسی الحنفیؒ، روح المعانی، جزء ۱۷، صفحہ ۱۰۵۔ (31) عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلیؒ، زاد المسیر، جلد ۱، صفحہ ۴۱۵-۴۱۶۔ (32) ابوبکر احمد بن محمد الخلال الحنبلیؒ، کتاب السنۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۸۷-۱۸۸۔ (33) مسند امام احمد: ح ۲۰۸۷۲۔ (34) مسند امام احمد: ح ۱۷۲۸۰، ۱۷۲۸۱، مستدرک الحاکم: ۴۲۲۷ نحوہٗ۔ (35) جامع الترمذی: ح ۳۶۰۹۔ (36) جلال الدین السیوطیؒ، الخصائص الکبریٰ، صفحہ ۲۴۔ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۱، صفحہ ۹۷۔ (37) عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم الرازی، تفسیر القرآن العظیم، رقم الحدیث ۱۷۵۹۴، ۱۷۵۹۵۔ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ، مسند الشامیین: ۲۶۶۲۔ امام ابن جریر الطبریؒ نے سورہ احزاب کی آیت ۷ کی تفسیر میں اسی مفہوم کی روایت امام قتادہؒ سے مرسلاً نقل کی ہے۔ (تفسیر ابن جریر، جلد ۱۹، صفحہ ۲۳)۔ (38) عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلیؒ، التبصرۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۸۹۔ (39) مستدرک الحاکم: ۴۲۸۱۔ امام حاکمؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، تاہم شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ الحنبلیؒ نے اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کا مؤقف یہ ہے کہ کیونکہ اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اس لئے یہ حدیث قابلِ احتجاج نہیں۔ (مجموع فتاوی ابن تیمیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۵۴-۲۵۸) ہم کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا ضعف تہمت بالکذب کی وجہ سے نہیں بلکہ ضعفِ حافظہ کی وجہ سے ہے۔ یہی سبب ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی روایت قبول کی ہے۔ مسند امام احمد میں حدیث نمبر ۵۷۲۳، ۱۱۱۰۸، ۱۱۲۸۴، ۱۱۴۱۵، ۱۱۴۱۶، ۱۲۸۴۰، ۲۴۰۳۵۔ اسی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ سے مروی ہے۔ خود شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ الحنبلیؒ کا بیان ہے کہ امام احمدؒ نے المسند میں کسی متہم بالکذب راوی سے روایت قبول نہیں کی بلکہ ان کی شرائطِ قبولیت امام ابوداؤدؒ کی شرائط سے اعلیٰ واجود ہیں۔ (ایضاً، جلد ۱، صفحہ ۲۴۸-۲۵۰) لہٰذا مذکورہ حدیث کا ضعف قلیل درجہ کا ہے، اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس روایت کے بارے میں شدید تحفظات کے باوجود امام ابن تیمیہ الحنبلیؒ اسے موضوع (گھڑی ہوئی) ثابت نہیں کر سکے۔ پس اس حدیث کو شاہد کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ امام عبدالرحمٰن ابن الجوزی الحنبلیؒ نے بھی اس حدیث سے استشہاد کیا ہے۔ (عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلیؒ، الوفا بتعریف فضائل المصطفیٰ)۔ (40) مستدرک الحاکم: ۴۲۸۰، عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلیؒ، الوفاء بتعریف فضائل المصطفیٰ، صفحہ ۱۔ (41) مسند امام احمد: ح ۱۷۸۸، جامع الترمذی: ح ۳۵۳۲، ۳۶۰۷، ۳۶۰۸، قال الترمذیؒ هذا الحدیث حسن۔ (42) شرف الدین الحسین بن عبداللہ الطیبیؒ، شرح مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۳۶۴۳۔ (43) مسند امام احمد: ۸۸۴۴، صحیح البخاری: ۳۵۵۷۔ (44) عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلیؒ، الوفاء بتعریف فضائل المصطفیٰ، صفحہ ۲۔ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۱، صفحہ ۸۹-۹۰۔ (45) جلال الدین السیوطیؒ، الخصائص الکبریٰ، صفحہ ۲۳۔ محمد بن یوسف الصالحی الشامیؒ، سبل الہدیٰ والرشاد، جلد ۱، صفحہ ۱۰۹۔ (46) مسند امام احمد: ۲۷۴۲۔ (47) مسند امام احمد: ۱۴۶۸۵، ۱۵۲۲۳۔ (48) احمد بن علی ابن حجر العسقلانیؒ، فتح الباری، جلد ۶، صفحہ ۶۱۱۔ (49) مسند امام احمد: ۷۶۶۶، صحیح البخاری: ۳۴۴۹، صحیح ابن حبان: ۶۸۰۲۔ (50) مسند امام احمد: ۲۰۴۱۳۔

37 ویں

25 روزہ قرآن فہمی کورس کے

شرکاء کے تاثرات

ماہِ مئی 2017ء میں قرآن اکیڈمی جھنگ میں 25 روزہ ’’پھر سوئے حرم لے چل‘‘ کورس منعقد ہوا، جس میں آٹھ افراد نے شرکت کی۔ اس کورس کے شرکاء کے تاثرات شامل اشاعت کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

☆ **غلام مرتضیٰ** الحمدللہ اس کورس میں شرکت کر کے ذہنی طور پر ایک خوشی اور چین نصیب ہوا۔ قرآنی معلومات میں الحمدللہ کافی اضافہ ہوا۔ مطالعہ قرآن کو عوام اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں اجاگر کرنے کا طریقہ معلوم ہوا۔ پہلے تو میں سمجھتا تھا کہ قرآن صرف عربی مدارس کے طلباء وعلماء کے لئے ہے بس انہی کا کام قرآن کو سمجھنا اور پڑھنا اور پڑھانا ہے لیکن اس اکیڈمی میں آ کر معلوم ہوا کہ قرآن کو سمجھنا ہر انسان کی ذمہ داری ہے۔ خصوصاً وہ طبقہ جو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں ان میں مطالعہ قرآن کا شوق اجاگر کیا جائے کیونکہ یہی لوگ ہیں جو معمار قوم اور لیڈر شپ میں ہوں گے تاکہ وہ قرآن و سنت کے مطابق خود بھی اور عوام کو اس منزل پر لائیں گے۔ اسی سے ملک و وطن میں اسلام کا قانون اور غلبہ حاصل ہوگا۔ ان شاء اللہ اب سے میرا بھی عہد ہے کہ ہم اسی مشن میں اپنی توانائی صرف کریں گے اور آخر وقت تک اسی کے ساتھ وابستہ رہیں گے۔ آخر میں دعا گو ہوں اس ادارے و منتظمین کے لیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے اور اس کی محنتوں و کاوشوں کو قبول فرما کر ذریعہ نجات بنائے۔ آمین۔

☆ **راشد علی** مجھے یہاں آ کر یہ احساس ہوا کہ آج دنیا میں مسلمان تو موجود ہیں لیکن اسلام کا نظام موجود نہیں ہم ہر چیز میں غیروں کے محتاج ہیں اس کی بنیادی وجہ مسلمانوں کی کاہلی اور سستی ہے۔ اس کورس میں مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے اقبالیات کا اندراج بہت مفید ثابت ہوا اور بہت ہی مؤثر ہے

اورقرآن مجید اوراحادیث کا جونصاب کورس میں جوشامل کیا ہے وہ ہمیں ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے اور ہماری سوچ میں امید کی کرن روشن ہوئی ہے اورتاریخ اسلام پڑھ کر مجھے میری اوقات یاد آ گئی کہ میرے کاندھوں پر حق کی امانت کا ایک بوجھ ہے جو آباءواجداد کا مشن تھا۔

☆ **محمد طیب** یہاں سے مجھے قرآن مجید کے بارے میں بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملا جس سے قرآن مجید کی عظمت میرے دل میں پیدا ہوئی اوران شاءاللہ میں یہاں سے اور بہت کچھ سیکھوں گا یہاں سے میرے دل میں علامہ محمد اقبال کے لئے بہت عزت پیدا ہوئی اور ہم نے یہاں سے اسلام کی تاریخ کے بارے میں بہت کچھ سیکھا اور یہاں سے آپ ﷺ کی حدیث پڑھی جس سے مجھے بہت فائدہ ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کس طرح گزاری اور ہمیں کس طرح زندگی گزارنی چاہیے۔ یہاں مجھے کلام اقبال بہت پسند آیا ہے یہاں آ کر ہمارے دلوں میں جذبہ پیدا ہوا ہے کہ ہم نے کوقرآن سیکھنا ہے اور دوسروں کوسکھانا ہے اوران شاءاللہ ہم اپنی ساری زندگی قرآن مجید سیکھنے اور دوسروں کوسکھانے میں لگا دیں گے۔آج کل تو جدید تعلیم آ گئی ہے ہمیں ان لوگوں کوبھی دین کے بارے میں سیکھانا ہے۔جس وقت سے میں یہاں پڑھنے آیا اورہمیں یہ بات سمجھ آ گئی ہے کہ ختم نبوت کے بارے میں ہم پرکونسی ذمہ داریاں ہیں۔ انفرادی زندگی میں دین پرعمل کرنا چاہیے اوراجتماعی زندگی میں اس کو پھیلانا چاہیے اور یہاں سے پتہ چلا ہے کہ ہمیں کس طرح زندگی گزارنی چاہیے۔

☆ **عبدالقدیر** مجھے یہاں آنے پر بہت فائدہ ہوااوراس کے بعد میں ان شاءاللہ کالج میں اپنے ہم جماعتوں کو یہاں قرآن کی تعلیم ترجمہ کے ساتھ حاصل کرنے کے لئے کہوں گا اور لازمی لاؤں گا۔ان شاءاللہ میں اپنے دوستوں اور بڑوں کوبھی یہاں آنے کے لئے MOTIVATE کروں گا اور جہاں تک ہوااس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے ضرور کوشش کرنے کے لئے مستعد ہوں۔

☆ **سمیع الرحمٰن** میں اس ادارے کا دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے دینی اور آخرت کی تعلیم دی ہے۔ مجھے اپنے دوست چھوڑنے اور نئے اچھے دوست بنانے پڑیں گے اوران شاءاللہ میں اپنے گھر میں بھی دین کی تعلیم عام کروں گا۔قرآن کا درس، فضائل اعمال کی تعلیم اور حضور ﷺ کے واقعات گھر والوں کو بتاؤں گا اوران کے دل میں دین کی بات سمجھنے اورعمل کرنے کی شوق ہو اوران کے دلوں میں دین سیکھنے کا جذبہ پیدا ہو۔ان شاءاللہ اپنی زندگی میں حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلوں گا اوراپنے دوستوں کوبھی ان طریقوں پر چلنے کی دعوت دوں گا۔جن سے میرے گہرے تعلقات بنیں گے توان کوبھی یہی دعوت دوں گا اور جو مجھے سکول میں دین کا علم حاصل نہ ہوسکا وہ مجھے اس 25 روزہ

کورس میں سیکھنے کو ملا۔

☆ **حیدر علی** یہاں قرآن اکیڈمی میں آ کر مجھے بہت فائدہ ہوا اور ایک ایسا جذبہ پیدا ہوا ہے کہ اب اللہ کے فضل و کرم سے قرآن کے ترجمہ کو عام کرنے کی کوشش کروں گا اور خود بھی عمل کروں گا اور عوام الناس میں جدید دور کے مطابق بات کرنے کا طریقہ سیکھا ہے اور عزم تو میرا پہلے بھی تھا اور اب پکا عزم کرتا ہوں کہ مرتے دم تک اپنی پوری زندگی دین کے کاموں صرف کروں گا، اور قرآن اکیڈمی کے ذریعہ بہت سے طالب علم سکول اور کالج کے اس مختصر کورس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور ایک درد دِل میں بیان کرنا چاہوں گا اللہ ہم سب کو اتحاد کے ساتھ دین کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آخر میں اتنا ہی کہوں گا کہ دنیا میں دین ہے پر اس پر عمل کرنے والے لوگ بہت کم ہیں اور اسی جدوجہد کی وجہ سے لوگ ان شاء اللہ ضرور عمل کرنے والے بن جائیں گے۔ اللہ جو ہم نے پڑھا ہے اس پر عمل کرنے کی اور لوگوں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆ **امجد علی** اس قرآنی تعلیم سے ہمارے علم میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ میں نے جو بھی یہاں سے سیکھا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ آگے اپنے دوستوں تک پہنچانے کی بھی کوشش کروں گا۔ اس تعلیم سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے ان شاء اللہ تعالی اس تعلیم سے میں پوری دنیا کو روشن کرنے کی کوشش کروں گا۔ جب میں اس اکیڈمی میں داخل ہوا تو میرا دینی علم کچھ زیادہ نہیں تھا میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے بہت قلیل وقت میں ہمیں قرآنی تعلیم سے آگاہ کیا ہے۔ میں ان شاء اللہ یہ تعلیم اپنے تمام بھائیوں تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ میں آخر میں تمام اساتذہ کرام کا شکر ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہمیں مفت اور بہت مفید تعلیم دی۔

☆ **افنان زاہد** میں اپنے اساتذہ کرام کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہمیں جس انداز سے تعلیم دی ہے وہ انداز ان کا بہت اچھا ہے انہوں نے ہمیں بور نہیں ہونے دیا بلکہ وہ وہ ہمارے اندر ایک نیا جذبہ پیدا کرتے رہے مجھے پہلے اتنا شوق نہیں تھا جتنا مجھے اس تعلیم کے بعد آیا ہے اور اس تعلیم کی وجہ سے میں نے نماز شروع کر دی ہے اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی تیار کیا ہے۔ میں نے ہر گندے کام چھوڑ دیئے ہیں اور اب ان شاء اللہ میں ہر دینی پروگرام میں حصہ لوں گا اور اپنی عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم لیتا رہوں گا اور ہر پروگرام میں حصہ لوں گا۔

طریق عمل

حضرت اکبرالہ آبادی

چاہا جو ان سے میں نے طریقِ عمل پر وعظ　　بولے کہ نظم ذیل کو ارقام کیجیے
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ　　خالق کا شکر کیجیے آرام کیجیے
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم　　تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجیے
یورپ میں پھریں پیرس و لندن کو دیکھئے　　تحقیق ملک کاشغر و شام کیجیے
ہوجایئے طریقۂ مغرب میں مطمئن　　خاطر سے محو خطرہ ایام کیجیے
پیران بے فروغ کا گل ہو چکا چراغ　　ناحق نہ دل کو تابع اوہام کیجیے
رکھیے نہ دل کو دیر و کلیسا سے منحرف　　متروک قید جامہ و احرام کیجیے
الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جایئے　　ہر ملت و طریق کا اکرام کیجیے
رہیے جہاں میں دشت مشرب سے نیک نام　　مجھ کو مرید ، ہندوؤں کو رام کیجیے
رکھیے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر　　دولت کو صرف کیجیے اور نام لیجیے
ساماں جمع کیجیے کوٹھی بنایئے　　با صد خلوص دعوت حکام کیجیے
یاران فہم مذاق سے ہم بزم ہوجیئے　　موقع ملے تو شغل مے و جام کیجیے
نظارۂ نسواں سے تروتازہ رکھیے آنکھ　　تفریح پارک میں سحر و شام کیجیے
مذہب کا نام لیجیے، عامل نہ ہوجیئے　　جو متفق نہ ہو اسے بدنام کیجیے
طرز قدیم پر ، جو آئیں مولوی　　پبلک میں ان کو موردِ الزام کیجیے
زنجیر فقہ توڑیے کہہ کر خلافِ شرع　　مضمون لکھئے، دعویٰ الہام کیجیے
لڑکے نہ ہوں، تو ہو نہیں سکتی چہل پہل　　نیکریں پہنے وظیفہ و انعام کیجیے
تحصیل چندہ کیجیے لڑکوں کو بھیج کر　　سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجیے
بے رونقی سے کاٹیئے کیوں اپنی عمر کو　　کیوں انتظار گردشِ ایام کیجیے
جو چاہیے وہ کیجیے بس یہ ضرور ہے　　ہر انجمن میں دعویٰ اسلام کیجیے

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مُردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجیے

مسلمانانِ پاکستان کے لیے

27 رمضان المبارک
کی خصوصی اہمیت

ماہِ رمضان المبارک کی برکات سے ہر مسلمان واقف ہے اور اس کے شب و روز کی عبادات اور اضافی اجر و ثواب بھی ہمارے علم میں ہے۔

تاہم یہ بات اتنی عام نہیں حالانکہ اس سے ہم مسلمانانِ پاکستان کے سر فخر سے بلند ہونے چاہئیں کہ 14/اگست 1947ء کو جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور آزادی کا اعلان ہوا____ اس وقت 27/رمضان 1366ھ کی رات تھی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن کی رات کو ہمیں آزادی بخشی اور پاکستان بھی عطا فرمایا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے پاکستان کا مقدر قرآن مجید یا نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا شعور عطا فرمائے، آمین

ان شاء اللہ العزیز

قرآن اکیڈمی جھنگ

میں 38واں

25روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

29 جون تا 23 جولائی 2017ء

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری وملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہوسکتے ہیں تاکہ قران مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کرسکیں۔

معلومات کے لیے 20 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر اس تربیتی کورس کا بروشر مفت حاصل کریں یا hikmatbaalhga@yahoo.com پر بروشر کے حصول کے لیے درخواست ای میل کریں

اپنی فرصت کے مطابق بذریعہ فون یا ای میل اپنا نام رجسٹر کرائیں

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

0336-6778561

روزہ اور قرآن کی شفاعت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلصِّیَامُ وَ الْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُہُ الطَّعَامَ وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ وَ یَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ فَیُشَفَّعَانِ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہ)

’’رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ (یعنی اُس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا) روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت ورحمت کا معاملہ فرما) اور قرآن کہے گا: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لیے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا)‘‘